سرائیکی قومی سوال

محمد اسلم رسولپوری

سرائیکی پبلیکیشنز۔ رسول پور
تحصیل جام پور ضلع راجن پور

نام کتاب: سرائیکی قومی سوال
مصنف : محمد اسلم رسولپوری
تاریخ اشاعت: 27 جنوری 2006ء
قیمت: 20 روپے
ناشر: سرائیکی پبلی کیشنز، رسول پور
تحصیل جام پور، ضلع راجن پور
کمپوزنگ: الکتاب گرافکس ملتان

ملوئیوں

جاٹوں

اور

کھوکھروں کے نام

جنھوں نے سرائیکی خطے

پر حملہ کرنے والوں کو

عبرت ناک سبق سکھائے

فہرست

ابتدائیہ

سرائیکی خطہ وادیٔ سندھ کے درمیانی علاقے پر مشتمل ہے اور ماضی میں اپنی تاریخی وسعتوں کے ساتھ سات دریاؤں سندھ، جہلم، بیاس، چناب، راوی، ستلج اور ہاکڑہ کی سرزمین تک پھیلا رہا ہے یہ تمام خطہ اپنی نیچر میں ایک ہونے کی خواہش (جسے جرمن فلسفی شوپن ہاور کے الفاظ میں ارادہ کہہ سکتے ہیں) کا بھی متقاضی رہا ہے۔ اور تاریخ کے مختلف ادوار اور ہر بدلتے ہوئے سماج میں کسی نہ کسی نئی تہذیب کی شکل میں ایک ہونے کا ثبوت بھی فراہم کرتا رہا ہے۔ وادیٔ سندھ[1] کی دراوڑ، ہندو، بدھ اور مسلم تہذیبوں[2] کے درمیان ہمیشہ ابتدائی حوالوں کے ساتھ مرکزی حیثیت سرائیکی خطے کو رہی ہے۔ خواہ حکومتی ضرورتوں کے تحت انتظامی حیثیت کسی بھی دوسرے شہر کو ملی ہو۔

---

[1]۔ وادیٔ سندھ کی تہذیب کا نام صوبہ سندھ کی وجہ سے نہیں بلکہ دریائے سندھ کی وجہ سے ہے جو صرف سرائیکی خطے میں سندھ کے نام سے مشہور ہے۔ جب کہ شمالی علاقہ جات اور صوبہ سرحد میں اسے اباسین اور صوبہ سندھ میں مہران کہتے ہیں۔

[2]۔ پہلی بار یہاں دنیا کی ایک بڑی تہذیب وادیٔ سندھ یا ہڑپہ کی تہذیب کے نام سے قائم ہوئی۔ جو منڈا اور دراوڑی قبائل کی مذہبی، لسانی اور ثقافتی قدروں پر کھڑی تھی۔ دوسری بار یہاں اس قدیم تہذیب کے ساتھ آریاؤں کی روایات وغیرہ نے مل کر ایک نئی تہذیب کی بنیاد ڈالی جسے سپت سندھو یا ہندو تہذیب کہا جاتا ہے۔ جس نے ہڑپا اور موئن جودڑو کو پھر سے آباد کرنے کی بجائے سرائیکی خطے کے وسط میں ایک نئے شہر مولستھان / مولتان کو آباد کیا۔ جسے اب ملتان کہا جاتا ہے۔ یہاں کی تیسری تہذیب بدھ مت کی

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ از گزشتہ صفحہ)

تہذیب ہے۔ جو ہندومت کی بعض مذہبی روایات خصوصاً ذات پات کے نظام سے بغاوت کی بنیاد پر کھڑی ہوئی۔ جس نے سنسکرت کی مرکزیت کو توڑ کر مقامی زبان خصوصاً پالی کو ذریعہ اظہار بنایا۔ اس تہذیب نے پہلے اشوک اور پھر ایک غیر مسلم ترک کشان خاندان کے بادشاہ کنشک (تخت نشینی 120ء) کے دور میں عروج پایا۔ اس دور میں سرائیکی کی قدیم شکل نے لینگوا فرینکا (Langua Franca) کی شکل اختیار کی جس کے اثرات آج بھی اس علاقے میں اجڑی اور ہندکو زبانوں کے روپ میں ملتے ہیں۔ یہ تہذیب وسط ایشیاء، افغانستان اور گجرات تک پھیلی ہوئی تھی اس کا مرکزی شہر پشاور (پرش پور) تھا۔ اور یہاں کی چوتھی تہذیب جس کا آغاز جنوبی سرائیکی خطے (شمالی سندھ) اور ملتان پر عربوں کے قبضے سے ہوا۔ مسلمان ترکوں اور مغلوں کے عہد میں ترقی پا کر مسلم تہذیب کے نام سے ظاہر ہوئی اور اب یہاں ایک نئی یعنی پانچویں تہذیب اپنا آغاز کر رہی ہے۔ جو موجودہ مسلم تہذیب اور مغرب کے ثقافتی اثرات کے تحت ایک نئے رنگ میں ہمارے سامنے آئے گی۔

اگرچہ سرائیکی خطے [1] کی یہ اکائی اکثر و بیشتر غیر ملکی حملوں، اندرونی جھگڑوں اور سازشوں کی وجہ سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار بھی رہی ہے تاہم وقت کے ساتھ ساتھ یہ پھر سے جڑتی بھی رہی ہے۔[2]

موجودہ دور میں وادیٔ سندھ کا یہ خطہ پاکستان کے نام پر ایک ہونے کے ارادے کا مظہر ہے لیکن بدقسمتی سے اس کی مرکزی حیثیت سرائیکی سرزمین، اس کی زبان، تہذیب وثقافت کو دینے کی بجائے باہر سے درآمد ایک Pidgin زبان وثقافت کو دے دی گئی ہے جس کی وجہ سے یہ خطہ قوموں کا ایک غیر دوستانہ مجموعہ بن گیا ہے۔ تاہم آج اس خطے کی اصلی روح سرائیکی قومی شعور کی صورت میں بیداری کی ایک نئی لہر کے ساتھ سامنے آ رہی ہے۔ اگر اس قومی شعور کو بنیادی تقاضوں کے مطابق سفر کرنے دیا گیا۔ تو پھر یہ خطہ سابقہ تہذیبوں کی طرح اپنا تاریخی رول ادا کر سکے گا ورنہ یہ پھر کسی نئی توڑ پھوڑ کا شکار ہو جائے گا۔ جس کے آثار گردونواح میں آج بھی دکھائی دے رہے ہیں۔

محمد اسلم رسولپوری

---

[1]۔ سرائیکی خطہ ہی وہ بنیادی خطہ ہے جہاں شروع سے مغربی اور شمالی حملہ آوروں نے آ کر مستقل قیام کیا۔ یہاں اپنی تہذیبوں اور حکومتوں کی بنیادیں قائم کیں۔ اور یہی وہ خطہ ہے جہاں پر جنوبی ایشیا اور ہندوستان کی اکثر نسلوں، قومیتوں اور زبانوں نے اپنی زندگیوں کا آغاز کیا اور ترقی پائی۔

[2]۔ پاکستان کے کئی طبقات سرائیکی کو الگ قومیت کے طور پر ماننے سے انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ قومیت کے تمام تقاضے پورے کرتی ہے کیونکہ قومیت تاریخی طور پر جنم لینے والی ایک کمیونٹی ہوتی ہے۔ جس کی اپنی زبان، اپنا علاقہ اور اپنی معاشی زندگی اور اپنی نفسیاتی عادتیں ہوتی ہیں جو اس کی ثقافت میں اظہار پاتی ہیں۔ اور یہ سب عناصر سرائیکی خطے کے لوگوں میں بخوبی پائے جاتے ہیں۔ جو انہیں ایک قومیت کا درجہ دیتے ہیں۔ لیکن اس کے مخالف یہ حقیقت جاننے کے باوجود بھی اسکی مخالفت اس لئے کرتے ہیں کہ سرائیکی قومیت کو الگ ماننے سے ان کے سیاسی اور معاشی مفادات کو ضرب لگتی ہے۔ جو سرائیکی علاقے کی زمینوں کے قبضے اور لوٹ کھسوٹ پر مبنی ہے۔

سرائیکی خطے میں انسانی نسلوں اور زبانوں کا ارتقا

آج سرائیکی خطے (جسے سرائیکستان کہا جاتا ہے) کی حدود بہت زیادہ سکڑ گئی ہیں۔ اور اسے اب جنوبی پنجاب تک محدود سمجھا جاتا ہے۔ جس میں ڈیرہ اسماعیل خان کو بھی شامل کیا جاتا ہے۔ یہ محدودیت ماضی کے ہزاروں سالوں میں سرائیکی خطے پر بیرونی اور ہمسایہ قوموں کے حملے اور توسیع پسندی کی وجہ سے واقع ہوئی ہے۔ ورنہ ماضی میں سرائیکی خطہ پوری وادیٔ سندھ پر پھیلا ہوا تھا۔ اور اس کے مزید اثرات چاروں اطراف میں اور بھی پھیلے ہوئے تھے [1]

کسی خطے کی حدود کا اندازہ اس خطے پر زبان اور ثقافت کے پھیلاؤ سے لگایا

---

[1]۔ ہندوستان کے بعض علاقوں میں آج بھی سرائیکی بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ سندھ کے شمالی حصے کے حکمران تالپور سرائیکی بولتے تھے۔ موجودہ سندھ کا شمالی حصہ جس میں راجہ داہر کی حکومت تھی سرائیکی وسیب کا حصہ تھا۔ سندھ کے کلہوڑا حکمرانوں کے آخری بادشاہ میاں عبدالنبی کلہوڑا کا مقبرہ حاجی پور ضلع راجن پور میں ہے۔ اسی طرح تھرپارکر میں بولی جانے والی سرائیکی جسے گریرسن ہندکی کہتا ہے ڈیرہ جات میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ جب کہ کوہ سلیمان کے پار بارکھان، ڈیرہ بگٹی، نصیر آباد تک سرائیکی بولی جاتی ہے۔ مختلف حکومتوں کے ادوار میں ان کی توسیع پسندانہ یا انتظامی حکمت عملی نے سرائیکی خطے کو محدود کر کے رکھ دیا ہے قدیم سرائیکی خطے یا وادیٔ سندھ کی وسعت کو مقامی حوالوں سے شمالی، وسطی، جنوبی اور شرقی حصوں میں بانٹا جا سکتا ہے۔ موجودہ سرائیکی خطہ جسے جنوبی پنجاب کا نام دیا جاتا ہے اپنی مقامی تہذیبی اکائیوں کے حوالے سے چولستان، ملتان اور ڈیرہ جات کے نام سے شناخت رکھتا ہے۔ اور قدیم سرائیکی وسیب کی وسعت کے حوالے سے صرف وسطی حصے تک محدود ہے۔

جا سکتا ہے۔ اور سرائیکی خطے یا سرائیکستان کے پھیلاؤ کا اندازہ سرائیکی زبان کی وسعت سے ہی لگایا جائے تو یہ پشاور سے لے کر تھرپارکر تک اور نصیر آباد، بارکھان سے راجپوتانہ اور گجرات تک کئی علاقوں تک پھیلی رہی ہے جس سے ماضی میں اس خطے کی وسعت کا سرسری اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

آج بہت سی زبانیں جو اپنی آزادانہ حیثیت اختیار کر چکی ہیں ماضی بعید میں سرائیکی زبان کی قدیم صورت کے مقامی لہجے تھے۔ جن میں پوٹھواری، ہندکو، اجڑی، کھترانی، بغدالی، سوریلی (سندھی) مارواڑی اور گجراتی وغیرہ شامل ہیں [۱]

ماضی کی تمام تہذیبیں یعنی وادی سندھ کی تہذیب، سپت سندھو کی تہذیب اور گندھارا کی بدھ تہذیب اور مسلم تہذیب بنیادی طور پر سرائیکی خطے کی تہذیبیں تھیں۔ کیونکہ انہوں نے سرائیکی خطے میں اپنا آغاز کیا تھا یا یہاں ارتقاء کے مراحل طے کئے تھے۔ ان تہذیبوں کے دوران آباد کئے گئے شہروں نے یہاں اپنا بڑا تہذیبی روپ اختیار کیا۔ جن میں ہڑپہ موئن جودڑو، ٹیکسلا، پشاور، گندھارا (قندھار) اور ملتان خصوصی طور پر قابل ذکر ہیں۔ اور پھر یہاں کئی آزاد سلطنتوں کا قیام عمل میں آیا۔ جن میں کیکئی [۲]

۱۔ معروف ماہر لسانیات جارج گریرسن اپنی تالیف ''لنگوسٹک سروے آف انڈیا'' میں تھرپارکر کی زبان اور ڈیرہ جات کی زبان کے جس کو وہ ''ہندکی'' کہتا ہے اور ان میں مشابہت پاتا ہے کئی نمونے بھی دیتا ہے۔ جس سے ہندکو نے ترقی کی ہے۔ اس طرح محمود شیرانی نے اپنی کتاب ''پنجاب میں اردو'' میں اردو کے جو قدیم نمونے دیئے ہیں وہ معروف سرائیکی شاعر عبدالحکیم اوچوی کی کتاب یوسف زلیخا سے لئے گئے ہیں۔

۲۔ کیکیہ کی سلطنت جو گندھارا کی سلطنت سے ملحق اور دوسرے نمبر پر تھی نے اس علاقے میں تھی جس کو وادی سندھ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ (ملتانی زبان اور اس کا اردو سے تعلق صفحہ ۷۵)
چوتھی یا پانچویں صدی میں کیکئی کا علاقہ علم و فن کا مرکز تھا۔ (صفحہ ۷۴) وادی سندھ عہد عتیق سے ہند سے الگ رہا ہے یہاں مہابھارت کے زمانے میں اس کی انفرادیت قائم تھی۔ اور موجودہ ملتانی زبان کا علاقہ کیکئی کی سلطنت میں شامل تھا۔ (صفحہ ۱۰۵)

گندھارا اور کشان سلطنتیں اہم ہیں۔ بعد میں کئی چھوٹی چھوٹی آزاد ریاستیں بھی ابھرتی رہیں۔ جن میں لنگا ہوں، ناہڑوں، میرانیوں اور عباسیوں کی حکومتیں تاریخ کے صفحات پر رقم ہیں [۱] ان تمام مقامی حکومتوں نے سرائیکی خطے کی اپنی انفرادیت قائم رکھی۔ اور اپنے دور کے زبان و ادب کی ممکنہ ترویج کی۔

اگر ہم اس خطے کی قدامت کا اندازہ لگائیں تو یہ بہت قدیم ہے۔ وادی سون جو سرائیکی خطے کے شمالی سرے پر واقع ہے میں انسانی آبادی کے ابتدائی آثار ابتدائی حجری دور سے ملتے ہیں۔ تاہم باقاعدہ جو نسلیں اپنی زبانوں کے ساتھ اس خطے میں نقل مکانی کر کے آئیں ان میں آخری برفانی دور کے ختم ہونے کے بعد Negroid کی نسل ہے جو تقریباً اٹھارہ ہزار سال قبل افریقہ کے شمالی اور مشرقی خطے سے دنیا کے سفر پر روانہ ہوئی اور چلتے چلتے اس نسل کے کچھ گروہ وادی سندھ میں بھی آ پہنچے۔ وہ نسل جو زبان بولتی تھی۔ اُسے ایک خود ساختہ نام Saharan language سے پکارا جاتا ہے [۲]

Negroid کا دوسرا گروہ آسٹریلیا کے علاقے میں جا پہنچا۔ اور پھر کافی عرصہ بعد اس کے کچھ لوگ پورے ہندوستان میں پھیل گئے۔ وہ Pro Australoids کہلاتے ہیں [۳]

۱۔ لنگا ہوں کی حکومت ۱۴۲۸ء تا ۱۵۲۴ء تک قائم رہی۔ جب کہ ناہڑوں نے راجل اور ہڑند تک اپنی ریاستوں کا دائرہ وسیع کیا ان کا دارالحکومت سیت پور تھا۔ میرانیوں کی حکومت ڈیرہ غازی خان میں تھی وہ ۱۴۷۶ء تا ۱۷۹۶ء تک حکمران رہے۔ جب کہ عباسیوں نے ریاست بہاولپور پر ۱۶۹۰ء تا ۱۹۵۵ء تک حکومت کی۔

۲۔ دراوڑوں کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ وہ افریقہ سے یا پھر بحیرۂ روم کے علاقے سے نقل مکانی کر کے یہاں آئے۔ لیکن گنگوفسکی کا خیال ہے کہ دراوڑوں نے یہاں کی مختلف نسلوں کے اختلاط سے جنم لیا اور وہ وادی سندھ کی پہلی مقامی نسل ہے۔ (پاکستان کی قومیتیں)

۳۔ معروف ماہر لسانیات اور بشریات Edonon کا خیال ہے کہ Saharam پہلی زبان تھی جس کی باقیات سپین کی Basque، جاپان کی Aino اور کچھ دراوڑی زبانوں میں ملتی ہیں میرے خیال میں پاکستان کے علاقہ ہنزہ اور گلگت کی زبان بروشسکی بھی اس دور کی یادگار ہو سکتی ہے تاہم اتنے لمبے عرصے میں اپنے مقامی حالات کی وجہ سے اس نے شکل تبدیل کر لی ہے ان زبانوں کو isolate زبانیں کہا جاتا ہے۔ اس طرح براہوئی زبان بھی اس دور کی یادگار زبان ہو سکتی ہے۔ جو دراوڑ زبانوں کے خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔

ہزاروں سالوں کی اس انسانی نقل وحرکت اور سرائیکی خطے میں ان کی آمد سے یہاں Negroid اور Austroliod کے انسانی گروہوں اور زبانوں کے ملاپ سے نئی نسلوں اور زبانوں کی پیدائش اور ارتقا کا عمل جاری ہوا۔

آسٹروایشیا تک قبائل میں منڈا قبائل کا سرائیکی خطے میں لمبے عرصے تک قیام رہا۔ ان کی زبان ''منڈاری'' سرائیکی خطے کی پہلی بولی جانے والی زبان تھی جو بعد کی زبانوں کے ارتقاء میں ایک بنیاد بنی۔ اور جس کے اثرات آج بھی سرائیکی، اردو، ہندی، سندھی اور ہندکو میں ملتے ہیں۔[1]

سرائیکی خطے میں گھڑولی اور لیجا کی رسمیں، کنوؤں کے ناموں پر دیہاتوں کے نام رکھنا اس دور کی یادگار ہیں جبکہ بیس کے ذریعے گنتی کا طریقہ منڈاری بھی قبیلے کا ایجاد کردہ ہے۔ علاوہ ازیں منڈا قبائل کی باقیات میں بھیل اور کیبل (کول) آج بھی سرائیکی علاقے میں آباد ہیں۔

پانچ سے دس ہزار سال قبل کے عرصہ میں سرائیکی خطے میں دیگر کئی نسلوں کی آمدورفت جاری رہی۔ جن کے شواہد موہنجوداڑو کی کھدائی سے انسانی ڈھانچوں کی

---

[1] سرائیکی اور منڈاری کے چند مشترک الفاظ جو آج تک رائج ہیں ملاحظہ ہوں۔

منڈاری	سرائیکی	منڈاری	سرائیکی	منڈاری	سرائیکی	منڈاری	سرائیکی
پڑھی	پڑھی	ڈولیا	ڈولی	جانگ	جنگھ	تھ	تھ
وہیہ	وہیہ	ہالا	ہل	ور	ور	ہٹی	ہٹی
منڈی	منڈی	مالا	سالا	کھائی	کھائی	جا	جے
لپ	لپ	چپتا	چپتا	گھسکا	کھکار	اٹکا	اٹکا،اٹکی
گاکر	گھاگھر	نانی	نانی	نانہگ	ناگھ	بھاڑ	بھاڑا
ماما	ماما	کھری	کھری	روڑا	روڑ	جانگیرا	چنگیر

۱۔ لسانیات پاکستان ۲۔ سرائیکی زبان اوندا رسم الخط اتے آوازاں

برآمدگی سے ملے ہیں۔ ان تمام نسلوں اور بحیرۂ روم کی طرف سے ایک اور نسل کی آمد سے یہاں ایک مقامی نسل نے جنم لیا جن کو دراوڑ کا نام دیا جاتا ہے۔ تاہم وہ جنوبی ہندوستان کے موجودہ دراوڑ قبیلوں سے مختلف تھے۔ اس نسل نے منڈا قبائل کی طرف سے ابتدائی کاشتکاری کی تہذیب کو ایک نئی اور ترقی یافتہ تہذیب کی شکل دی جس کو ہڑپہ یا وادیٔ سندھ کی تہذیب کہا جاتا ہے۔ اس نے باقاعدہ شہر آباد کئے جن میں گنویری والا، جلیل آباد، ہڑپہ اور موہنجوداڑو وغیرہ مشہور ہیں۔ انہوں نے کاشتکاری کے ساتھ ساتھ تجارت کا آغاز کیا۔ اور میسوپوٹیمیا کے ساتھ تجارتی تعلقات قائم کئے۔ انہوں نے ایک نئے رسم الخط کی بنیاد ڈالی جو بعد میں براہمی، دیوناگری، گورمکھی اور دراوڑی رسم الخطوں کی بنیاد بنا۔

وادیٔ سندھ کی تہذیب کی جو بنیاد منڈا اور دراوڑ قبائل نے ڈالی تھی۔ وہ دراصل سرائیکی خطے پر محیط تھی۔ آج کے محدود سرائیکی وسیب کے کناروں پر ہی دو بڑے شہر موئن جودڑو اور ہڑپہ آباد ہیں جب کہ سرائیکی زبان آج بھی قدیم وادیٔ سندھ کی حدود میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔[1]

علاوہ ازیں جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بتایا ہے سرائیکی زبان کی بنیاد بھی ان زبانوں پر ہے جو اس تہذیب کے عروج کے دور میں بولی جاتی تھیں۔ اور آج سرائیکی

---

[1] وادیٔ سندھ کی زبانوں کے ذخیرۂ الفاظ کا بیشتر حصہ غیر آریائی ہے۔ امکان ہے کہ ان زبانوں کی بنیاد کسی ایسی زبان پر رکھی گئی ہے جس کا سرچشمہ ان مغربی ممالک میں ہے جن کا تعلق موئن جودڑو، اور ملتان یا ہڑپہ کی قدیم تہذیب سے ہے۔ (ملتانی زبان اور اس کا اردو سے تعلق صفحہ ۹۴۔)

زبان اور اس کا خطہ ہی قدیم ہڑپہ تہذیب کا وارث ہے۔[۱]

سرائیکی خطے میں منڈا اور دراوڑ قبائل نے اپنی اعلیٰ تہذیب اور خوشحالی کی لمبے عرصے تک مزے لوٹے کہ آہستہ آہستہ انہیں زوال نے آ گھیرا اور اس کے ساتھ ان پر دوسری مصیبت بھی آن پڑی۔ کہ گھوڑوں پر سوار آریا یہاں آن پہنچے۔ اور یہاں کے مقامی باشندوں کے ساتھ گتھم گتھا ہوگئے۔ سالہا سال تک یہاں کبھی کھلم کھلا اور کبھی گوریلا جنگ لڑی گئی۔ جس سے فریقین تنگ آ کر کچھ بھارت کی طرف بھاگ گئے اور کچھ یہاں آپس سے گھل مل کر رہنے پر تیار ہوگئے۔[۲]

منڈا، دراوڑ اور آریا جو سرائیکی خطے میں مل کر رہنے لگے۔ انہوں نے کافی عرصہ بعد ایک نئی تہذیب کی بنیاد ڈالی جسے سپت سندھو یا ہندو تہذیب کا نام دیا جاتا

۱۔ منڈاری کے علاوہ قدیم تامل زبان کے الفاظ کے جو اثرات مقامی زبانوں پر ہوئے وہ سرائیکی کی موجودہ لغت میں بھی دکھائی دیتے ہیں۔

تامل	سرائیکی	تامل	سرائیکی	تامل	سرائیکی
پدم	پدم	تلی	تلی	من	منڈھ
آم	آہو، ہا	وا	آ	آپی	آپا
ماٰمن	ماماں	نانوں	ننان	ان	ان
مڑائی	مڑ	سولا	سولی	آری	آری
کلکی	کھٹ	چوٹی	چوٹی	نیر	نیر
روٹی	روٹی				

۲۔ منڈا اور دراوڑ قبائل نے آریا کے خلاف جو طویل گوریلا جنگ لڑی۔ اس کا اظہار آریائی ابتدائی کتاب رگ وید میں بھی ملتا ہے۔ جہاں وہ نفرت سے یہاں کے لوگوں کو رات کو چھپ چھپ کر حملہ کرنے والے کہتے ہیں۔

ہے۔ اس نئی تہذیب نے پرانے شہروں ہڑپہ اور موئن جو دڑو کو آباد کرنے کی بجائے سرائیکی خطے کے وسط میں ایک نئے شہر کی بنیاد ڈالی جسے آج ملتان کہا جاتا ہے۔ ارتقاء کے اس عمل میں یہاں ایک ملی جلی نئی زبان نے جنم لیا جو قدیم لہندا کی بنیاد بنی۔[۱] اور یہیں ہندوؤں کی علمی زبان سنسکرت کو ایک پوتر زبان کی شکل میں علماء کی زبان بنایا گیا۔[۲]

ایک طویل عرصہ کی نقل مکانی کے بعد آریا مختلف گروہوں کی شکل میں پوری دنیا میں پھیل گئے۔ انہوں نے ایشیا اور یورپ کے بیشتر علاقوں میں اپنی اپنی زبانوں کے گروہ بنا لئے اور سیاسی طور پر بڑی بڑی حکومتیں بنالی۔ لیکن ان کا حرص بدستور قائم تھا۔ اور وہ سرائیکی خطے کو سونے کی چڑیا سمجھ کر اس کے پر نوچتے رہے کبھی وہ ایرانیوں کی شکل میں اس وسیب پر آ ٹوٹے اور کبھی یونانیوں کے روپ میں۔

یونانیوں کا مہاراجہ سکندر پورس سے معاہدہ[۳] کرنے کے بعد جب ملتان کی

۱۔ باوجود اس کے سنسکرت کو یہاں کی مقامی زبانوں کی لغت سے پاک کرنے کی کوشش کی گئی لیکن آج بھی اس میں کئی دراوڑی اور قدیم زبانوں کے الفاظ موجود ہیں۔ چند ایک سرائیکی سنسکرت الفاظ ملاحظہ ہوں۔

سرائیکی	سنسکرت	سرائیکی	سنسکرت	سرائیکی	سنسکرت
چندر	چندر	پکھی	پکسی	پوترہ	پوترہ
سجن	سوجن	اتے	اتہ	گھوڑا	گھوٹک
پتر	پتر	کیتا	کرتہ	ہل	ہل
ترئے	تری	لال	لالہ		

۲۔ یہ سارا فریضہ یہاں کے ایک ماہر صوتیات پانینی (پانچویں صدی قبل مسیح) نے سرانجام دیا۔ جس نے سرائیکی خطے کے شمالی سرے پر واقع شہر ٹیکسلا میں تعلیم حاصل کی تھی۔

۳۔ عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ سکندر اعظم نے پورس پر مکمل فتح حاصل کر لی تھی حالانکہ پہلے محاذ پر جب پورس کو شکست ہوئی تو سکندر نے اس کے ساتھ ایک معاہدہ کیا جس کے تحت پورس کو اس کی سلطنت واپس کر دی گئی اور اس کے بدلے پورس نے آگے سکندر کو مدد دینے کا عہد کیا یہ ایک جنگی چال تھی جو پورس نے کھیلی۔

طرف بڑھا تو راستے میں ایک مقامی قبیلہ ملوئی آباد تھا جس نے اپنے ہمسایہ قبیلے کے ساتھ مل کر سکندر کا سخت مقابلہ کیا اور اسے بری طرح زخمی کر دیا۔۱ جس کی وجہ سے اس کی فوج کے چھکے چھوٹ گئے اور وہ واپس جانے پر مجبور ہو گئی۔

اس دور میں سرائیکی خطے میں ایک قومیت ہونے کا احساس پیدا ہو چکا تھا جس کی بنیاد پر مختلف مقامی قبائل نے مل کر دشمن کا مقابلہ کیا۔ یہی وجہ ہے کہ سکندر کے جانشین سلوکس نے جب دوبارہ اس خطے کو جو سکندر کے جانے کے بعد آزاد ہو گیا تھا فتح کرنے کی کوشش کی تو چندر گپت موریہ نے اس علاقے کے عوام کو اپنی فوج میں بھرتی کر کے سلوکس کو عبرت ناک شکست دی۔۲

ہندوؤں میں ذات پات کے نظام اور برہمنی بالادستی (جس میں سنسکرت کی مقدس زبان کی بالادستی کا رویہ بھی شامل تھا) کے خلاف شمالی ہندوستان میں بغاوت کی ایک شکل نے جنم لیا۔ جو بعد میں پورے ہندوستان میں پھیل گئی اور جس نے اشوک کے دور میں بدھ تہذیب کی شکل اختیار کر لی۔ یہ اس دور میں سرائیکی خطے میں بھی پہنچی اور مقبولیت حاصل کر لی۔ اس دور میں سرائیکی (لہندا) نے اپنی نئی صورت اختیار کر لی تھی کہ اس میں لکھا پڑھا جاتا تھا یہی وجہ ہے کہ اشوک نے اپنے فرمان اور بدھ مت کی

۱۔ اس وقت ملوئی قبیلے کے پاس نوے ہزار فوج، دس ہزار گھوڑے اور نو سو رتھیں تھیں۔ ملوئی قبیلے کا نظام بادشاہت کی بجائے جمہوری تھا۔ جبکہ اس کے ہمسایہ میں پورس اور راجہ امبھی نے اپنی بادشاہتیں قائم کر رکھی تھیں۔

۲۔ سلوکس نے اس شکست کے نتیجے میں چندر گپت کو اپنا مفتوحہ علاقہ واپس کر دیا اور اپنی بیٹی کا رشتہ بھی دیا۔ شاید کسی بڑے جرم میں راضی نامہ کی صورت میں رشتہ دینے کی یہ رسم آج کی "ونی" کی قدیم بنیاد ہے۔

تعلیمات دوسری زبانوں کے ساتھ لہندا میں بھی تحریر کرائیں۔۱

کشان جو غیر مسلم ترک تھے نے جب شمال مغربی ہند پر قبضہ کر لیا تو ان کا ایک معروف حکمران کنشک (جو ۱۲۰ء میں تخت پر بیٹھا) بدھ مت کا بڑا پرچارک بنا اس کا ایک دارالخلافہ پشاور تھا اس کے عہد میں نہ صرف دارالخلافہ میں سرائیکی کی قدیم شکل 'لہندا' بولی جاتی تھی۔۲ بلکہ وہ اس وقت پوری سلطنت میں وسط ایشیا اور افغانستان سے لے کر گجرات تک "لنگوافرینکا" کی حیثیت اختیار کر چکی تھی۔۳

یہاں اس دور میں بہت سی دوسری نسلیں اپنی زبانوں سمیت نقل مکانی کر کے اور بعض اوقات اپنے حکمرانوں کے ساتھ حملے کے دوران آ کر آباد ہو گئیں۔ جو بالآخر

۱۔ اشوک کے کتبوں کے فرامین براہمی اور کھروشتی میں لکھے گئے۔ شہباز گڑھی اور مانسہرہ کی چٹانوں پر کندہ کئے ہوئے فرامین کھروشتی میں لکھے گئے، ستونوں کے فرامین اور تہہ یہ عبارتوں کی زبان پالی تھی۔ اور شمال مغربی پراکرت (لہندا کی قدیم صورت) اور پشاچی کی شمال مغربی شاخ بھی۔ (زبان کیا ہے۔ از: خلیل صدیقی)

۲۔ "لہندا" دراصل کوئی نام نہیں ہے بلکہ یہ لفظ "لہن" یعنی سورج کے غروب ہونے کی طرف مراد ہے، چونکہ یہ زبان ہندوستان کے مغربی حصے میں بولی جاتی تھی۔ اس لئے اس زبان کو یہ نام دیا گیا۔ اور اس سے سرائیکی زبان کے ساتھ سرائیکی قومیت کے تصور کو شعوری طور پر مسخ کیا گیا۔

۳۔ ہند آریائی تاریخ میں ایک بات نمایاں نظر آتی ہے وہ یہ کہ ہر دور میں کوئی ایک زبان ملک گیر یا لنگوافرینکا کی حیثیت اختیار کرتی رہی ہے۔ اس کی وجوہات کچھ بھی ہیں۔ مذہبی، سیاسی یا دونوں ہوں۔ بدھ عہد بلکہ اس سے پہلے "برہمنا" اور اس کی تخلیق سے یہ سلسلہ نظر آتا ہے شرقی یا وسطی ہند کا، آریائی یا کوئی روپ ادبی، سرکاری یا مذہبی حیثیت سے اپنے سارے علاقے سے باہر وسیع خطوں میں رائج رہا۔ گپتا دور میں سنسکرت کے بعد اس حیثیت کی مالک کشن (غیر مسلم ترک) راجاؤں کے دور میں کوئی شمال مغربی پراکرت (لہندا) وادئ سندھ سے مدھیہ پردیش، کاٹھیاواڑ تک مسلط رہی۔ (زبان کیا ہے از: خلیل صدیقی)

اس قومیت کا حصہ بن گئے۔ اور اس طرح عربوں [1] ترکوں، افغانوں اور مغلوں کے حملوں نے سرائیکی خطے میں یہاں کی زبان لہندا کو ایک نئی اور موجودہ شکل دی۔ جس میں عربی، فارسی اور ترکی کی لغت نے راہ پائی۔ اس طرح یہاں کا بدھ اور ہندو کلچر اپنے کچھ سابقہ روایات کے ساتھ مسلم کلچر میں تبدیل ہوا۔ اور اس طرح سرائیکی قومی شعور میں اسلامی عنصر نے داخل ہو کر اسے ایک مذہبی چاشنی دے دی۔

1818ء میں سکھوں کے حملے نے یہاں کوئی خاص اثر نہ ڈالا تاہم 1848ء کے بعد انگریزوں کے قبضے نے یہاں کی زبان اور ثقافت پر اپنا رنگ دکھانا شروع کیا جو ان کے جانے کے بعد بھی جاری ہے۔ اور اس طرح سرائیکی زبان اور قومیت اپنی نئی اور پانچویں تہذیب میں ڈھل رہی ہے۔ جو مسلم اور مغربی کلچر کا ایک امتزاج ہو گا۔

[1]۔ عربوں نے محمد بن قاسم کی قیادت میں ایک صبر آزما جنگ کے بعد ملتان فتح کیا اس وقت سرائیکی خطہ شمالی سندھ تک پھیلا ہوا تھا۔ اور اس وقت سرائیکی خطے کے جنوبی حصے پر (روہڑی کے نزدیک) ''الوڑ'' کے مقام پر برہمن حکومت کا دارالخلافہ تھا۔ راجہ داہر اس وقت سریر آرائے سلطنت تھا۔ محمد بن قاسم نے دیبل کے مقام پر اُسے شکست دینے کے بعد اوچ اور ملتان فتح کیا۔ اس وقت قدیم ''لہندا'' اپنے مختلف لہجے کے ساتھ سندھ میں رائج تھی۔ جس نے بعد میں موجودہ سندھی کا روپ پایا۔

سرائیکی قومیت کے ارتقاء کے مختلف ادوار

قومیتوں کا ارتقاء زبانوں کی طرح سماجی عمل کے ساتھ جڑا ہوا ہے یہ عمل ماضی میں سست رہا ہے جس کی وجہ سے قومیتوں کی شکلیں غیر واضح اور مبہم رہی ہیں اور ان پر نسلوں اور قبیلوں کی چھاپ زیادہ رہی ہے لیکن آج یہ شکلیں زیادہ واضح ہیں۔

قومیت کسی ایک نسل اور قبیلے پر منحصر نہیں ہوتی [1] وہ کئی قبیلوں اور نسلوں کے اختلاط اور اتحاد کے بعد ایک شکل اختیار کرتی ہے سرائیکی قومیت بھی اس عمل سے گزری ہے تمام دیگر قومیتوں کی طرح سرائیکی خطے میں بھی مختلف نسلوں کے منڈا، دراوڑ اور آرین قبائل آباد رہے۔ جن کی مشترکہ رہائش اور اختلاط کی وجہ سے یہاں سرائیکی قومیت نے جنم لیا [2] سرائیکی قومیت پاکستان میں بسنے والی قومیتوں میں پہلی قومیت ہے جس نے اس خطے میں اپنی ابتدائی شکل میں ظہور پایا۔ جو قبل مسیح سے کئی صدیاں پہلے کی بات ہے۔

سکندر اعظم کے سرائیکی خطے پر حملے کے وقت سرائیکی قومیت اپنی ابتدائی شکل میں ڈھل چکی تھی۔ اس قومیت نے ملوئی اور دیگر مقامی قبائل کی شکل میں ایک ہونے اور سرائیکی خطے کو اپنی ما دھرتی سمجھنے کے احساس کے ساتھ حملہ آور کا مقابلہ کیا۔ یہ قبائلی

[1]۔ پاکستان کی تمام قومیتیں خصوصاً پشتون، بلوچ اور سندھی اس کی عمدہ مثالیں ہیں۔ وہ کئی قبائل اور نسلوں کے اختلاط کا مجموعہ ہیں۔

[2]۔ ان مختلف نسلوں اور قبیلوں کی زبانوں سے مل کر جو ایک نئی زبان بنتی ہے وہ اس قومیت کی زبان ہوتی ہے۔ سرائیکی زبان بھی اس مرحلے سے گزر کر سرائیکی قومیت کی زبان بنی ہے۔ سرائیکی زبان اور قومیت کا ارتقاء ساتھ ساتھ ہوتا رہا ہے۔

قومیت کی ایک شکل تھی جس میں مختلف قبائل اپنی الگ الگ ثقافت کے حامل تھے۔ کبھی وہ یک لسانی اور کبھی ذولسانی ہوتے مگر ان کے درمیان معاشی مفادات مشترک ہوتے تھے اور ایک دھرتی کے باسی ہونے کی وجہ سے حملہ آوروں کے خلاف بڑی بہادری کے ساتھ اپنی یک جہتی کا ثبوت دیتے تھے[۱]

سرائیکی قومیت کی یہ قبائلی شکل کنشک کے دور میں زیادہ واضح ہوئی جس نے بدھ تہذیب کی نمائندگی کی۔ اس دور میں سرائیکی قومیت میں بدھ مت سے وابستہ روایات نے رواداری، عدم تشدد اور پر امن رویوں کو جنم دیا۔ جس نے بعد میں اسلامی تمدن میں اپنا اثر دکھایا۔ یہ دور قبائلی روایات سے بدل کر جاگیردار سماج کی شکل اختیار کر رہا تھا۔ اُس دور میں قدیم قبائلی دور کی طرح ابتدائی اشترا کی جمہوری نظام کی بجائے جاگیردارانہ نظام کے سیاسی ڈھانچے بادشاہت نے اپنی گہری جڑیں پکڑلی تھیں۔ یہ ایک طویل دور تھا جس میں سرائیکی وسیب زندہ رہا اس کی وحدت اس دور میں ٹوٹتی اور بنتی رہی عربوں پھر ترکوں، افغانوں اور مغلوں کی آمد نے اس جاگیردارانہ نظام کو اور پختہ کیا۔ اور اس طرح اس دور میں اسلامی تصوف نے اپنا اثر بڑھایا[۲] اور سرائیکی زبان کی صوفیانہ شاعری میں اس نے راہ بھی پائی[۳]

---

[۱] ۔اس دور میں ہندوستان کے دیگر علاقوں میں قومیتوں کا احساس ابھر رہا تھا چندر گپت موریہ کی پہلی بڑی قومی حکومت اسی دور میں سامنے آئی۔

[۲] ۔وادیٔ سندھ پر مسلسل غیر ملکی حملہ آوروں کے ساتھ جہاں اسلحہ سے جدید لڑائی جاری رہی وہاں نظریاتی طور پر بھی مدافعت کا ایک سلسلہ جاری تھا۔مقامی آبادی نے حملہ آوروں سے نفرت کی وجہ سے ان سے الگ تھلگ رہنے کے لئے انہیں ملیچھ قرار دیا جب کہ حملہ آوروں نے اپنے ہمدرد

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

متصوفانہ نظریے میں انسانی محبت اور رواداری کو رواج دیا۔جس سے حملہ آوروں کو فائدہ ہوا۔اور ان کی آمد کے لئے رستہ ہموار ہوا۔

[۳] ۔سرائیکی زبان نے اپنی پہلی قومیتی شکل چندر گپت موریہ کے دور میں بنائی۔ جو قبائلی تھی۔اس کے بعد کنشک کے دور میں نیم جاگیردانہ اور نیم قبائلی شکل میں لنگوافرینکا کی شکل اختیار کی۔اب اس میں منڈا اور دراوڑ زبانوں کا لسانی ڈھانچہ ایک حد تک آریائی بن چکا تھا۔پنجابی، آریائی زبان کے اندرونی دائرہ سے وابستہ ہو کر الگ زبان کی شکل اختیار کر رہی تھی۔عربوں کے حملے کے بعد جب سرائیکی خطے کا زیادہ حصہ دمشق اور پھر بغداد کے ساتھ چلا گیا۔تو یہاں عربی زبان کا عمل دخل شروع ہوا۔اور پھر ترکوں، افغانوں اور مغلوں کے ادوار میں یہاں فارسی نے راہ پائی۔ان تمام زبانوں نے اپنی لغت کو سرائیکی زبان میں داخل کیا۔اور لہندا جو خود مختلف پراکرتوں یعنی کیکیہ اور وراچڈہ وغیرہ سے معروف تھی۔کہیں سندھی، کہیں ہندکو اور کہیں گجراتی کی شکل پالی۔تاہم سرائیکی نے عربی اور فارسی لغات کو قبول تو کیا لیکن اسے اپنی مخصوص صوتیاتی مجبوریوں کے تحت نئی شکل دے دی۔اور بعض عربی اور فارسی صوتیات کو قبول کرنے سے انکار کر دیا جن میں ثا، حا، صا، طا، ظا، قا اور ژا (فارسی) وغیرہ۔

اس سماجی نظام پر ابتدائی چوٹ 1848ء میں سرائیکی وسیب پر انگریزوں کے قبضے سے پڑی۔[1] اور 1857ء کی بغاوت کی ناکامی نے اس نظام کو ختم کر دیا۔ اور جاگیردارانہ نظام کا نمائندہ سیاسی نظام بادشاہت بکھر کر رہ گیا۔ جس سے جاگیردارانہ نظام سے وابستہ سرائیکی قومیت کا تصور بھی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو کر رہ گیا۔

پاکستان کے قیام کے بعد یہاں نیم مردہ جاگیرداروں نے حکومت پر قبضہ کر لیا اس نظام کے خلاف پہلی بغاوت ایوب خان نے 1958ء میں فوج کی قیادت میں کی۔ یہ سرمایہ دارانہ سماج کا آغاز تھا۔ اس کے خلاف جاگیرداروں نے ذوالفقار علی بھٹو کی قیادت میں 1968ء میں تحریک چلائی۔ جس میں روشن خیالی، ترقی پسندی اور معاشی تبدیلی کا نعرہ لگایا گیا۔ پاکستانی اقتدار کی کشمکش میں اگرچہ سرمایہ دارانہ نظام اپنی جڑیں پختہ نہیں کر سکا۔ لیکن سرمایہ دارانہ پیداوار کی درآمدات اور آزاد فکر نے سرائیکی خطے میں بیداری کی ایک نئی لہر پیدا کی۔ اور سرائیکی قومیت کو بھی اپنے وجود کا شعور حاصل ہوا۔ اور اس کے لئے باقاعدہ ادبی ثقافتی اور سیاسی تنظیمیں سامنے آئیں جنہوں نے سرائیکی قومیت کی شناخت، اُس کی تہذیب وثقافت کے ارتقاء اور اپنی سیاسی اکائی کے حصول کے لئے کوششیں شروع کر دیں۔

آج سرائیکی خطے میں ماضی کی طرح سابقہ تہذیبوں کے ساتھ نئی تہذیب کے اختلاط کا عمل جاری ہے۔ آج مسلم تہذیب کے ساتھ مغربی تہذیب سرائیکی خطے کو

[1] انگریزوں کے خلاف سرائیکی وسیب میں بڑی مزاحمت ہوئی۔ ملتان کے شہریوں نے انگریزی فوج کا مقابلہ کیا۔ جبکہ ہڑند کے علاقے میں غلام حسین نوری اور تونسہ کے علاقے میں قیصرانیوں نے مدافعت کی۔

ایک نئے رنگ میں ڈھال رہی ہے۔ جسے ہم جدید سرائیکی تہذیب کہیں گے[1] جو مسلم تہذیب اور مغربی تہذیب کا ایک خوبصورت امتزاج ہو گی تاہم یہ عمل پیچیدہ بھی ہو گا اور اس میں سرائیکی قومیت کو مکمل مغربیت کا شکار ہونے کی بجائے اپنی قومی شناخت برقرار رکھنی ہو گی۔

[1] اس نئی تہذیب کے اثرات ہمیں سرائیکی زبان وثقافت اور معاشیات میں نظر آ رہے ہیں سرائیکی زبان سے انگریزی لغت تیزی سے اس کی پرانی لغت کو بے دخل کر رہی ہے۔ اس طرح مسلم ثقافت کے ساتھ جدید انگریزی ثقافت انسانی لباس اور حلیوں میں تبدیلی، گانوں کی طرزوں، پاپ میوزک اور رقص کی شکل میں تیزی سے نمودار ہو رہی ہے۔ جبکہ معاشیات اور ذرائع ابلاغ میں جدید ایجادات کو زندگی اور روزگار کا حصہ بنایا جا رہا ہے۔ ہمیشہ کی طرح یہاں بھی کچھ قوتیں اپنے سابقہ ورثے پر اصرار کر کے ان نئے اثرات کو رد کرنے کی کوشش میں ہیں۔ سرائیکی اہل قلم کا ایک گروہ ماضی کی زبان کو لغت کا حصہ بنانے پر مصر ہے۔ تاہم اس عمل اور ردعمل میں سرائیکی قومیت کی کوئی نئی شکل سامنے آئے گی۔

سرائیکی خطے کا مزاج [1]

سرائیکی خطہ اپنے جغرافیائی حوالے سے سات دریاؤں کی مشترکہ سرزمین کے سبب ایک اِکائی ہونے کی نیچر رکھتا ہے اور اس خطے میں اپنا آغاز کرنے اور ارتقاء پانے کی وجہ سے سرائیکی قومیت بھی اس مزاج کی آئینہ دار ہے[1] اور اسی وجہ سے اس خطے نے اپنے وجود کو برقرار رکھنے کے لئے اپنے مزاج میں مدافعتی رول کو اپنائے رکھا ہے اور یہی بنیادی وصف سرائیکی قومیت کے مزاج کا حصہ ہے۔

سرائیکی خطہ چونکہ سات دریاؤں کی سرزمین ہے۔ اس لئے بہت زرخیز ہے۔ اور یہاں ماضی بعید ہی میں کاشتکاری کا عمل شروع ہو گیا تھا۔ جس کی وجہ سے اس خطے میں دولت کے ڈھیر لگ گئے[2] اور یہ خطہ کھلے میدانوں میں واقع ہونے کی وجہ سے تر نوالے کی طرح حملوں کے لئے دعوت عام تھا۔ اور پھر آغاز ہی سے نقل مکانی اور حملہ کرنے والوں نے اسے اپنا نشانہ بنایا۔

---

[1]۔ سرائیکی خطے کی شدید گرمی لیکن اس کے ساتھ اس دھرتی کی زرخیزی اور پانی کی فراوانی نے یہاں کے لوگوں کو عام طور پہ آرام پسند بنا دیا ہے۔ جب کہ باہر سے آنے والے حملہ آور بھوک کی شدت کے ساتھ دولت کی حرص میں اسلحہ سے بری طرح لیس ہو کر لڑتے رہے۔ اور بار بار شکست کھانے کے باوجود حملہ آور ہوتے رہے۔ اور آخر اس دھرتی پہ قبضہ جمانے میں کامیاب ہو گئے۔ محمود غزنوی کے سترہ حملے محمد غوری کی بار بار جنگیں اور ظہیر الدین بابر کی مسلسل پانچ شکستیں اس بات کا تاریخی ثبوت ہیں۔

[2]۔ ملتان شہر کو فتح کرنے کے بعد محمد بن قاسم نے یہاں سے تیرہ ہزار تین سو بیس من سونا اپنے ملک کو روانہ کیا تھا اور وہاں ملتان کا نام بیت الذہب (سونے کا گھر) مشہور ہو گیا تھا۔

ہمیں سرائیکی خطے میں سب سے پہلی مزاحمت کرنے کے آثار آریوں کی آمد کے ساتھ ملتے ہیں۔ جن کے کچھ گروہ درہ کومل کے ذریعے یہاں داخل ہوئے تھے۔ دراوڑوں اور منڈا قبائل نے ان کا سالہا سال مقابلہ کیا۔ جن کا اظہار ان کی اولین مذہبی کتاب رگ وید میں ملتا ہے[1] جہاں وہ ان کے ساتھ اپنی جنگوں اور فتوحات کا ذکر کرتے ہیں اور انہیں نفرت کے ساتھ راتوں کو چھپ چھپ کر حملہ کرنے والے کالے رنگ اور پھینے ناک والے لوگ کہتے ہیں۔

مدافعتی رول کی دوسری نشانی یہاں ہمیں سکندر اعظم کے حملے کے وقت دکھائی دیتی ہے۔ ملتان کے علاقے میں ملوئی قبیلے کا سکندر اعظم کے ساتھ مقابلہ یہاں کی مدافعتی تاریخ کی ایک شاندار مثال ہے۔ سکندر اعظم نے یہاں جن حالات میں اپنی جان بچائی وہ اس کی فوج کے واپس بھاگنے کا سبب بنی۔ اس طرح سکندر کے جانشین سلوکس کو بھی چندر گپت موریہ کی فوج کے ملتانی دستوں کے ہاتھوں شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ اور ناچار اُسے چندر گپت موریہ سے صلح کرنی پڑی۔

اس طرح عربوں کو ملتان فتح کرنے میں بہت زیادہ زحمت اٹھانی پڑی اور یوں جب محمود غزنوی نے 1005ء میں ملتان پر قبضہ کر لیا تو چند سالوں کے اندر وہ اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ اور اسے 1010ء میں دوبارہ اس پر حملہ کرنا پڑا۔ محمود غزنوی کو پنجند کے جاٹوں نے ایک بڑی شکست سے دوچار کیا اور وہ آگے جانے کی بجائے پیچھے کو بھاگا اور آسنی کے چھوٹے سے قلعے پر جا ٹوٹا اور وہاں سے اپنے گھر غزنی پہنچا اس طرح سلطان محمد غوری کو دریائے سندھ عبور کرتے ہوئے ڈیرہ غازی خان میں کھوکھروں نے

---

[1]۔ پنجابی زبان دا پچھوکڑ از محمد آصف خان

ہلاک کر دیا۔ اور اس کی فوج اُسے ایک گمنام مقام پر دفن کر کے واپس چلی گئی۔[1]

سکھوں نے جب ملتان پر حملہ کیا تو ملتان میں نواب مظفر خان نے ان کا بہادری سے مقابلہ کیا اور اس کے دفاع کے لئے اپنی اور اپنی اولاد کی جان کا نذرانہ پیش کیا۔[2]

اس طرح انگریزوں کے حملے کے دوران ملتان کی گلی گلی میں لوگوں نے انگریزی فوج کا مقابلہ کیا۔ سکھوں اور انگریزوں کے خلاف یہ مدافعتی رول سرائیکی خطے کے ایک ایک کونے میں جاری رہا۔ راجن پور کے علاقے ہڑند میں بجر خان کورچانی نے سکھوں کے خلاف چودہ سو سواروں کے ساتھ مقابلہ تا حیات جاری رکھا جب کہ انگریزوں کے خلاف رود کھوسٹر (کالا کھوسڑا) تحصیل جام پور کے مقام پر غلام حسین مشوری نے اپنی شہادت تک یہ جنگ جاری رکھی۔

---

[1] ۔ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ سلطان محمد غوری کو جہلم کے علاقے میں گکھڑوں نے ہلاک کر دیا۔ حالانکہ حقیقتاً اسے ڈیرہ غازی خان میں دریائے سندھ کو عبور کرتے ہوئے کھوکھروں نے ہلاک کیا۔ کیونکہ محمد غوری قرامطیوں کا قلع قمع کرنے کیلئے یہاں بار بار حملے کر رہا تھا۔ گرمیوں کی وجہ سے لاش کو غزنی لے جانا مشکل تھا۔ اس لئے اسے اس علاقے میں ہی گمنام سپاہی کے طور پر دفن کر دیا گیا۔ آج بھی ضلع ڈیرہ غازی خان میں کوٹ چھٹہ سے چند میل آگے جکھڑ امام روڈ پر پیر محمد غوری کا مقبرہ موجود ہے جس کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ مجاہد افغانستان سے کافروں سے لڑنے کے لئے آیا تھا۔

[2] ۔ نواب مظفر خان کی شکست کی وجوہات میں بنیادی بات یہ ہے کہ وہ افغانستان کے نمائندے کے طور پر یہاں حکومت کرتے تھے اور انہوں نے افغانستان کے حکمران تیمور شاہ کے حکم پر قلعہ ڈیرا اور پر حملے کئے اور اس کے علاوہ منکیرہ میں جسکانیوں کی دو سو سالہ حکومت کو ختم کرنے میں بھی اُس کا ساتھ دیا۔ علاوہ ازیں جھنگ کے نواب احمد خان سیال کی سکھوں کے خلاف مدد کرنے کی بجائے اُسے ناکام واپس لوٹا دیا۔ دیگر غیر ملکی حکمرانوں کی طرح نواب مظفر خان نے بھی یہاں کے عوام سے کوئی رابطہ نہ جوڑا۔ اس لئے سکھوں کے آخری حملے کے وقت کوئی ان کی مدد کو نہ آیا۔ بلکہ ان کی اپنی فوج ہی کی طرف سے تیروں میں لپٹے پیغامات سکھوں کو ملے کہ کس طرف سے حملہ کیا جائے تو فتح ہو گی۔

سرائیکی خطے[1] کا یہ مدافعتی رول سرائیکی قومی ورثہ میں بھی نمایاں ہوتا رہا۔ اور خواجہ فرید کے کلام میں اس مدافعتی رول کا جو پیغام ملتا ہے وہی آج کی سرائیکی قومی تحریک کا پیغام ہے۔[2]

اپنے ملک کوں آپ وسا توں
پٹ انگریزی تھانے

---

[1] ۔ سرائیکی خطہ دولت سے مالا مال ہونے کی وجہ سے حملہ آوروں کی زد میں رہا۔ اس لئے ہر حملہ آور نے ان کے مدافعتی رول کو کمزور کرنے کی کوشش کی اور ان میں احساس یکجہتی پیدا نہ ہونے دیا۔ ان کی زبان اور ثقافت کو نظر انداز کیا۔ ان کی تاریخ کے ریکارڈ مسخ کر کے پیش کیا۔ اور ان میں قومیتی شعور پیدا نہ ہونے دیا۔ انہیں علاقائی بنیادوں پر تقسیم کیا۔ اور مذہبی بنیادوں پر بھی تفریق پیدا کی۔

[2] ۔ سرائیکی وسیب بلکہ ہندوستان کے صوفیا کی فکر کو دو حصوں میں بانٹا جا سکتا ہے۔ ایک وہ صوفی ہیں جو محمد غوری کے حملے کے بعد افغانستان اور ایران سے آنا شروع ہوئے۔ انہوں نے اپنے پیغام کی بنیاد جس فکر پر رکھی وہ آبادکاروں اور حملہ آوروں کے لئے گنجائش نکالتی تھی اور محبت اور انسان دوستی کے حوالے سے اس وقت کا یہ پیغام غیر ملکیوں کی Adjustment کا ذریعہ بنا۔ ایسے صوفیا نے یہاں فارسی زبان اور کلچر کو متعارف کرایا۔ جس سے باہر کے حکمرانوں کو فائدہ ہوا۔ ان صوفیا میں سے بعض نے مقامی قوتوں کے خلاف بیرونی حملہ آوروں کو دعوت بھی دی لیکن صوفیا کے دوسرے گروہ کی فکر ان صوفیا سے تعلق رکھتی ہے جو مقامی تھے جنہوں نے اپنی دھرتی سے محبت کا پیغام دیا۔ اور اس کے لئے مدافعتی جنگ کی حمایت بھی کی۔ اور ان میں سے بعض نے سرائیکی وسیب پر حملہ آوروں کے خلاف عملی جنگ میں حصہ بھی لیا۔

سرائیکی خطے کی خودمختیارانہ حیثیت

سکھوں کے آخری حملے 1818ء سے قبل ہم ماضی کے ادوار میں جتنے پیچھے چلے جائیں ہمیں سرائیکی خطہ کسی نہ کسی طور ایک آزاد حیثیت کا حامل دکھائی دیتا ہے وہ کبھی خودمختیارانہ صوبائی حیثیت میں رہا ہے اور کبھی چھوٹی چھوٹی نوابی ریاستوں میں یا پھر ایک مکمل آزاد سلطنت کی شکل میں۔

سکندر اعظم کے حملے کے وقت ملتان کے آس پاس جو ملوئی قبیلہ رہتا تھا اس کا ایک آزاد جمہوری نظام تھا۔

سکندر کے جانے کے فوراً بعد یہاں بغاوت ہوگئی سلوکس اس علاقہ کو دوبارہ فتح کرنا چاہتا تھا لیکن یہاں کے لوگوں کی مدد سے چندر گپت موریہ نے اسے یہاں سے بھگا دیا۔

عربوں کے عہد میں زیادہ تر یہ علاقہ یا آزاد رہا یا اس کی حیثیت اندرونی طور پر خودمختیارانہ اکائی کی رہی۔ محمود غزنوی کے عہد میں یہ خطہ بغاوتوں کی زد میں رہا۔ اور سلطان محمد غوری کے دور میں بھی یہی صورت رہی حتیٰ کہ اسے موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا۔ لودھیوں کے دور میں اس خطے کی حیثیت عام طور پر آزاد رہی۔ یہاں چودھویں اور پندرھویں صدی میں لنگاہوں کی ایک باقاعدہ آزاد سلطنت قائم ہوئی یہ دور ملتان کی خوشحالی کا دور تھا۔ فصلوں اور اناج کی فراوانی تھی۔ اور نئی نہریں نکالی گئیں [۱]

---

[۱] لنگاہوں کی حکومت کا آغاز ۱۴۷۳ء میں قطب الدین لنگاہ کے عہد سے شروع ہوتا ہے جو ۱۵۵ء تک جاری رہا۔ اس دور میں سرائیکی زبان نے بھی ترقی کی۔ ہیر رانجھا کا قصہ سب سے پہلے اسی دور میں دمودر نے نظم کیا۔ اور حضرت فرید ثانی نے اپنے اشلوک لکھے۔ لنگاہوں کی حکومت کا خاتمہ سندھ (اس سے مراد جنوبی سندھ ہے) کے حکمران مرزا شاہ حسن ارغون نے کیا۔ اس نے ملتان پر دوسرے حملے کے دوران کئی مہینوں کی مزاحمت کے بعد ا سے ۱۵۲۷ء میں فتح کیا اس نے شہر میں قتل و غارت، آتش زنی، لوٹ مار، عورتوں کی عصمت دری کی۔ ملتان کی تاریخ میں سکندر اعظم کے حملے سے لے کر اب تک ظلم کی ایسی بہت ہی کم مثالیں ملتی ہیں۔

اس دور میں سرائیکی خطے میں دیگر چھوٹی نوابی ریاستیں بھی قائم رہیں۔ جن میں ناہڑوں کی سلطنت جس کا دارالخلافہ سیت پور تھا[۱] کے علاوہ ڈیرہ جات میں میرانیوں کی حکومت قائم تھی[۲] جو تقریباً تین سو سال تک قائم رہی اس دور میں ڈیرہ غازی خان، ڈیرہ اسماعیل خان اور کئی دوسرے شہروں کی بنیاد ڈالی گئی۔

بہاول پور میں عباسی حکمرانوں نے اپنی حکومت کی بنیاد ڈالی[۳] جو انتظامی، عدالتی اور قانونی لحاظ سے کسی بڑی سلطنت سے کم نہ تھی۔ عباسیوں کی ابتدائی حکومت جو شمالی سندھ میں قائم تھی۔ تاریخی حوالے سے ہمیشہ سے سرائیکی خطے کا حصہ رہی۔ اور وہاں آج بھی سرائیکی زبان بولی اور سمجھی جاتی ہے[۴]

سرائیکی خطہ اگرچہ خود بھی مختلف سلطنتوں میں تقسیم ہوتا رہا اور بعض اوقات یہ حکومتیں آپس میں لڑتی جھگڑتی رہیں لیکن سکھوں کے حملے سے پہلے یہ کبھی آج کے لاہور کے زیر اثر نہیں رہا۔ اور ایک زمانے میں جب سرائیکی لنگوا فرینکا (Langua Franca) کی حیثیت کی مالک تھی لاہور کے علاقے میں بھی بولی، سمجھی اور لکھی جاتی رہی۔ معروف صوفی شاعر شاہ حسین جسے آج پنجابی شاعر قرار دیا جا رہا ہے کی شاعری اس حقیقت کی گواہ ہے۔

۱۔ ان کا علاقہ سیت پور، علی پور اور دریائے سندھ کے مغربی کنارے پر واقع تھا ان کی سلطنت اُچ سے ہڑند اور سیت پور سے شکارپور تک پھیلی ہوئی تھی کشمور بھی ان کی حدود سلطنت میں تھا۔ (ملتان لنگاہ دور میں صفحہ ۴۰۔۳۹)

۲۔ میرانیوں کی حکومت کا قیام ۱۴۷۲ء میں عمل میں آیا۔ اور ۱۷۶۹ء میں حیدرآباد سندھ کے حکمران غلام شاہ کلہوڑا نے غازی خان نہم جو اس وقت نابالغ تھا کو شکست دی اور اسے اپنے ساتھ حیدرآباد لے گیا جہاں وہ جیل میں مر گیا۔ سلطان محمود کے دور میں حاجی خان میرانی نے لنگاہوں کی ملازمت ترک کر کے آزاد حکومت قائم کی۔ جس کا صدر مقام ڈیرہ غازی خان تھا۔ ڈیرہ غازی خان، حاجی خان میرانی نے اپنے بیٹے غازی خان کے نام پر ۱۴۸۴ء میں آباد کیا جو ۱۹۱۰ء میں دریا برد ہو گیا۔ اور پھر موجودہ ڈیرہ غازیخان آباد کیا گیا۔

۳۔ بہاولپور کی سابقہ ریاست زیادہ تر پرانی وادیٔ ہاکڑہ کی سابقہ حدود پر مشتمل رہی ہے وادیٔ ہاکڑہ کی تہذیب سرائیکی خطے کی تہذیب کی ایک مقامی اکائی تھی جس طرح ملتان اور ڈیرہ جات اپنی اپنی مقامی تہذیبی اکائیوں کی حامل ہیں۔

۴۔ شمالی سندھ میں اس دور میں عظیم سرائیکی شاعر پیدا ہوئے جن میں سچل سرمست، بیدل فقیر، محسن بیکس، وغیرہ کافی معروف ہیں ان کے علاوہ روحل فقیر اور حسین دیدڑ بھی قابل ذکر ہیں۔

جدید سرائیکی قومی شعور کا ارتقاء [1]

سرائیکی قومیت [2] اب سرمایہ دارانہ قومی شکل میں ڈھل رہی ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام میں مشین کے استعمال سے پیداواری ذرائع میں جو تبدیلی آئی ہے اس نے فکری آزادی کے ساتھ ساتھ قومی شعور کی بھی ترویج کی ہے۔

ہندوستان میں 1857ء کی بغاوت کی ناکامی نے جاگیردارانہ نظام کی سیاسی علامت بادشاہت کا خاتمہ کر دیا۔ اور اس کے ساتھ جدید مواصلات نے ہندوستان کی حیثیت کو ایک نیا رخ دیا۔

انگریزوں نے اگرچہ ہندوستان پر سیاسی تسلط حاصل کر لیا لیکن یہاں کے باشندوں سے اپنی خود مختیارانہ حیثیت کا پرانا خواب نہ چھین سکے۔ اور بالآخر ہندوستان نے آزادی حاصل کر لی۔

---

[1] سرائیکی قومی شعور ماضی میں سرائیکی وسیب کے لوگوں کے مزاج اور تجربوں و مشاہدوں کا حامل ہے۔ اس کے بنیادی عناصر میں مزاحمت، دھرتی سے محبت اپنے وسائل کا تحفظ اور استحصال کے خلاف نفرت اور انسانی محبت شامل ہے۔

[2] سرائیکی خطے میں بیس ہزار سال کے نسلی اختلاط نے جو منڈا، دراوڑ اور آریا نسل کے ساتھ ان کے دیگر گروہ جن میں سویری، ترک، افغانی عرب اور بلوچ وغیرہ شامل ہیں نے یہاں موجودہ سندھی، سرائیکی، پنجابی اور کئی دیگر نئی قومیتوں کو جنم دیا۔ ان میں سرائیکی قومیت اعلیٰ جسمانی ساخت میں ایک خوبصورت امتزاج کی برتر قومیت ہے جس کا رنگ گورا اور گندمی، قد لمبا اور درمیانہ، ناک تیکھا اور موٹا، بال گھنگھرالے اور سیدھے اس کی خوش وضعی کی دلیل ہیں اس طرح سرائیکی ثقافت بھی ہر دور میں ثقافتوں کا ایک حسین گلدستہ رہی ہے جس سے قدیم منڈا قبائل سے لے کر آج تک جدید تقاضوں کے منظر دکھائی دیتے ہیں اس طرح سرائیکی زبان بھی ایک لچکدار، ملائم، میٹھی زبان ہے جس میں دنیا بھر کی صوتیات کو سمونے کی صلاحیت پائی جاتی ہے۔

پاکستان کے قیام کے ساتھ یہاں کی مظلوم قومیتوں کے اندر بھی اپنے وجود کا شعور بیدار ہوا۔ اور سرائیکی قومیت بھی ۱۸۱۸ء اور ۱۹۵۵ء میں اپنی دو آزاد اکائیاں (ملتان صوبہ اور ریاست بہاولپور) کے خاتمے کے بعد اب اُن کی مشترکہ بحالی (سرائیکستان صوبہ کی شکل میں) کے لئے آہستہ آہستہ سرگرم عمل ہونے لگی۔

اور اس طرح اپنے وجود کے دوسروں میں ضم ہو جانے کے جبری عمل سے پیدا ہونے والی محرومی نے سرائیکی قومی شعور کی شکل میں اُبھرنا شروع کر دیا۔

1960ء کی دہائی کے ایوبی دور میں سرکاری جبر اور سنسرشپ کے باوجود، ہونے والی سماجی تبدیلیوں کے نتیجے میں سرائیکی قومی شناخت نے اپنا باقاعدہ سفر شروع کر دیا۔ اس دور میں سرائیکی جو مختلف ناموں ملتانی، ریاستی، ڈیرہ وال، ہندکی، جگدالی، ہندی، جٹکی وغیرہ کے علاقائی لہجوں کے حوالے سے مشہور تھی نے اپنا نیا نام سرائیکی اپنایا [1] اور اس دور میں خواجہ فرید کانفرنس بھی ہوئی۔ جس کی آواز بنگلہ دیش (مشرقی پاکستان) تک سنی گئی۔ اسی دور میں سرائیکی اکیڈمی کا قیام عمل میں آیا جس کے باقاعدہ علمی ادبی تنقیدی اجلاس ہونے لگے۔ سرائیکی ماہنامہ ''اختر'' بھی جاری کیا گیا جس نے سرائیکی ادب کے حوالے سے اپنا یادگار افسانہ نمبر نکالا۔

یہ عمل مسلسل جاری رہا۔ سرائیکی زبان میں باقاعدہ نثر لکھنے کا آغاز ہوا۔ اور 1970ء کی دہائی میں ایک نیا رسالہ ''سرائیکی'' بہاولپور اور ''سرائیکی ادب'' ملتان سے جاری ہوا۔ جنہوں نے سرائیکی ادب میں لکھنے اور پڑھنے کے عمل کو تیز کیا۔ اور اس عرصے میں سرائیکی کانفرنس ملتان میں منعقد ہوئی [2] جس میں برطانیہ سے ماہر لسانیات

---

[1] ایک میٹنگ 1962ء میں سرا پبلک سکول میں منعقد ہوئی جس میں ڈاکٹر مہر عبدالحق، ریاض انور، ارشد ملتانی، میر حسان الحیدری، علامہ طالوت، مولانا نور احمد خان فریدی وغیرہ نے شرکت کی اور متفقہ طور پر سرائیکی زبان کو اس کا حقیقی نام سرائیکی دیا گیا۔

[2] سرائیکی کانفرنس 1975ء میں منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس میں رسم الخط طے کرنے کی کمیٹی بنائی گئی، راقم الحروف بھی اس کمیٹی کا ممبر تھا۔

ڈاکٹر کرسٹوفر شیکل سندھ سے عطامحمد حامی اور رسول بخش پلیجو وغیرہ شامل ہوئے اس
کانفرنس کی کئی نشستیں ہوئیں اس کانفرنس میں حاجی سیف اللہ نے اپنی تقریر میں
سرائیکی صوبہ کے قیام کا مطالبہ کیا۔ جو کانفرنس کی انتظامیہ کو ناگوار گزرا۔ اسی زمانے
میں پیپلز پارٹی کی تحریک میں بھی سرائیکی شعراء نے بھرپور حصہ لیا اور اپنے وسیب کی
محرومیوں کا تذکرہ کیا۔ سرائیکی شاعری میں ترقی پسندی کا جو عنصر داخل ہوا وہ آج کی
جدید شاعری میں بھی نظر آتا ہے۔

1980ء کی دہائی میں سرائیکی قومی شعور نے اپنی نئی شکل اختیار کی۔ اس دور
میں سرائیکی لوک سانجھ کی بنیاد رکھی گئی۔ جس کی پہلی میٹنگ محمد رضا بخاری المعروف
رضوشاہ کے مکان پر ہوئی۔ جس میں رضوشاہ، مظہر عارف اور راقم الحروف نے شرکت
کی۔ اور اس کے بعد ایک بڑی میٹنگ بنگلہ کورائی میں ہوئی جس کا ایک ڈیکلریشن
جاری کیا گیا۔ جسے اعلانِ بنگلہ کورائی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اس میٹنگ
میں فدا حسین گاڈی کو لوک سانجھ کا صدر اور مظہر عارف کو سیکرٹری چنا گیا۔ اس تنظیم کی
کئی میٹنگیں سید زمان جعفری کی کوٹھی پر ہوئیں۔ انہوں نے اس دور میں ایک کتاب
S.S.B کے نام سے انگریزی زبان میں لکھی۔

سرائیکی لوک سانجھ نے اپنا ایک رسالہ ''سُنجان'' بھی جاری کیا۔ اور اس کے
ساتھ بہت سے ادبی ثقافتی پروگرام بنائے۔ جن میں ایک مہر یوالے کا سرائیکی ادبی
میلہ بھی تھا۔ جو آج تک باقاعدگی سے منعقد ہو رہا ہے۔ مگر اب اس کی میزبان تنظیم
''سویل'' ہوتی ہے سرائیکی لوک سانجھ میں دو فکری دھارے رہے۔ ان میں ایک جو
اس کو سیاسی عمل سے کسی نہ کسی طور جوڑنا چاہتا تھا وہ اسے سرائیکی سیاسی حقوق حاصل

کرنے والی تنظیموں کے متوازی نہ رکھنا چاہتا تھا۔ اس فکر کی نمائندگی سید زمان جعفری
کررہے تھے۔ جبکہ دوسرا گروپ اسے صرف ثقافتی حدوں میں رکھنا چاہتا تھا۔ اور فدا
حسین گاڈی کی قیادت کے زیر اہتمام کام کرتا تھا۔ سرائیکی لوک سانجھ نے سرائیکی
وسیب میں قومی شعور کی بیداری میں ایک خاص حد تک حصہ لیا۔ لیکن وہ کوئی بڑا انقلابی
کام نہ کر سکی۔ اگرچہ یہ اب بھی ایک چھوٹے سے حلقے تک محدود ہے تاہم اسکی بجائے
اب ایک نئی تنظیم ''سویل'' کا قیام عمل میں لایا گیا ہے[1] وہ ایک خالص ادبی ثقافتی تنظیم
ہے۔ وہ سرائیکی قومی شناخت کو اپنے مخصوص نقطہ نظر کے تحت دیکھتی ہے اور اپنے ماضی
کی دریافت پر یقین رکھتی ہے وہ اسے عام طور پر سیاسی عمل کے متوازی چلاتی ہے۔

اس دور میں سرائیکی کا پہلا روزنامہ ''جھوک'' پہلے خان پور پھر ملتان سے
جاری ہوا جو آج تک چھپ رہا ہے[2]

سرائیکی قومی شعور اس تبدیلی کا حصہ تھا جو کسی نیک شخص کی خواہش پر عمل میں نہ
آیا تھا۔ بلکہ یہ ایک تاریخی جبر کا حصہ تھا۔ اور اس قومی شعور کے نتیجے میں جیسا کہ ہمیشہ
ہوتا ہے سیاسی عمل کا آغاز بھی ہوا اور 1983ء میں سرائیکی صوبہ محاذ کا قیام عمل میں
آیا۔ یہ مختلف جماعتوں کے کارکنوں کا ایک محاذ تھا۔ جو سرائیکی قومیت اور اس کے لئے
سیاسی اکائی کے حصول میں یقین رکھتے تھے[3]

1۔ اس تنظیم کے سربراہ سرائیکی کے نامور شاعر جناب رفعت عباس ہیں۔
2۔ روزنامہ ''جھوک'' کے چیف ایڈیٹر رئیس ظہور احمد دھریجہ ہیں۔ جو معروف اہل قلم اور صحافی ہیں
3۔ اس محاذ میں بیرسٹر تاج محمد خان لنگاہ، مولانا نورالحق قریشی، سید زمان جعفری، سیٹھ عبیدالرحمٰن،
سید ولایت گردیزی اور کئی دوسرے نامور افراد شامل تھے راقم اس محاذ میں کلچرل سیکرٹری کے
عہدے پر کام کرتا رہا۔

اس محاذ نے بعض بہت اچھے جلسے بھی کئے جن میں 1988ء کا ڈیرہ غازی خان کے کمپنی باغ کا ایک تاریخی جلسہ بھی شامل ہے۔لیکن یہ محاذ دیر تک نہ چلا۔مگر اس کے بطن سے کئی سرائیکی پارٹیوں نے جنم لیا۔جن میں پاکستان سرائیکی پارٹی [1]، سرائیکی نیشنل پارٹی، سرائیکستان قومی موومنٹ، سرائیکی انقلابی کونسل، سرائیکستان صوبہ موومنٹ اور سرائیکستان قومی انقلابی پارٹی وغیرہ شامل ہیں۔

سرائیکی وسیب کی یہ سیاسی جماعتیں اگرچہ اپنے طور پر کام کررہی ہیں مگر ان کا کام پاکستان میں ہونے والے سیاسی عمل کے دھارے سے پوری طرح نہ جڑ سکنے کی وجہ سے ابھی تک اپنی منزل نہ پا سکا ہے۔

---

[1] پاکستان سرائیکی پارٹی کا قیام 1989ء میں عمل میں آیا۔اس کی بنیاد ڈالنے والوں میں بیرسٹر تاج محمد خان لنگاہ، سردار رشید خان قیصرانی، جناب افضل مسعود اور راقم وغیرہ شامل تھے۔راقم اس کا سینئر نائب صدر رہا اور پرویز مشرف کے ریفرنڈم سے اختلاف کی بنا پر مستعفی ہوگیا۔اس پارٹی کے سربراہ بیرسٹر تاج محمد خان لنگاہ ہیں جبکہ میاں منصور کریم سیال اس کے سیکرٹری جنرل ہیں۔محمد رضا بخاری المعروف رضو شاہ اور سردار رشید خان قیصرانی نائب صدر کے عہدہ پر فائز ہیں۔

(ب) سرائیکی نیشنل پارٹی کے سربراہ جناب عبدالمجید کانجو ہیں۔جب کہ ایم اے بھٹہ سینئر نائب صدر ہیں۔

(ج) سرائیکستان قومی موومنٹ سرائیکی پارٹیوں میں دوسری بڑی جماعت ہے اس کے صدر حمید اصغر شاہین اور سیکرٹری جنرل مجاہد جتوئی ہیں۔

(د) سرائیکی انقلابی کونسل کے صدر مظفر مگسی ہیں۔

(ر) سرائیکی صوبہ موومنٹ کے صدر ممتاز جنی ایڈووکیٹ ہیں۔

(س) سرائیکستان قومی انقلابی پارٹی کے صدر اور بانی ملک منظور احمد بوہڑ مرحوم تھے جو ایک نظریاتی اور انقلابی سیاسی کارکن تھے۔ان کی وفات کے بعد ان کا بیٹا ملک محمد اسحاق بوہڑ اس کا صدر ہے یہ پارٹی پونم کا حصہ ہے۔

(ش) سرائیکی قومی اتحاد کے نام سے دو الگ الگ سیاسی تنظیمیں کام کررہی ہیں جن میں ایک کے صدر غلام فرید کوریجہ ہیں جو پونم کا حصہ ہے جب کہ دوسرے اتحاد کے سربراہ کرنل (ر) عبدالجبار عباسی ہیں۔

نئے سرمایہ دارانہ نظام جسے Late Capitalism کا نام دیا جاتا ہے۔اور جس کی زیادہ تر بنیاد ملٹی نیشنل کمپنیوں اور سٹاک ایکسچینج کے Shares کے کاروبار پر منحصر ہے آج پوری دنیا کو ایک گلوبل مارکیٹ میں تبدیل کررہا ہے جس کی وجہ سے چھوٹی چھوٹی قومیں اور زبانوں کو اپنے وجود تک کا خطرہ درپیش ہے [1]۔

اس نئے سرمایہ دارانہ نظام کے کلچر کو پھیلانے کا کام این جی اوز کے ذمے ہے۔جنہوں نے پوری دنیا میں ایک خصوصی حیثیت حاصل کرلی ہے۔

سرائیکی وسیب میں بھی ان این جی اوز نے اپنا کام بھرپور طور پر شروع کردیا ہے [2] اور بہت سے پڑھے لکھے لوگوں کو اپنے اندر جذب بھی کرلیا ہے جس سے سرائیکی قومی تحریک کے بیشتر کارکن اس تحریک کو غیر منافع بخش کاروبار سمجھ کر نہ صرف اس سے لاتعلق ہوگئے ہیں بلکہ کچھ اپنے خودساختہ اور کچھ یورپ سے درآمد شدہ نظریات کی روشنی میں اب اس تحریک کے ارتقاء کو روکنے کی بھی کوشش کررہے ہیں۔

---

[1] ماہرین لسانیات کا اندازہ ہے کہ اگلی صدی میں دنیا کی تقریباً نوے فیصد زبانیں ختم ہوجائیں گی۔ان زبانوں کے خاتمے میں انگریزی کا بڑا حصہ ہے اس لئے اُسے Language Killer کہا جاتا ہے۔

[2] سرائیکی وسیب میں انسانی حقوق، صحت، تعلیم اور ماحولیات وغیرہ کے نام سے ان گنت این جی اوز کام کررہی ہیں کچھ سرائیکی وسیب میں Development کو روکنے کے لئے مخصوص ہیں۔کچھ سرائیکی قومی تحریک کو صرف ثقافت تک محدود کرنے کے شوق میں ہیں اور کچھ عورتوں کے حقوق کے تحفظ کے نام پر ان پڑھ اور دیہاتی خواتین کو بہلا پھسلا کر عالمی سطح پر سرائیکی وسیب کو بدنام کرنے کے لئے ان کی سوانح عمریاں چھاپ کر اور کبھی امریکی اور فرانسیسی وزیر خارجہ سے ان کی ملاقات کرا کے اور چندوں کے ذریعے تعلیمی ادارے کھول کر اپنے مخصوص مقاصد کے فروغ کی جدوجہد کررہی ہیں۔کیونکہ ان کے لئے مغربی ثقافت اور زبان کو رائج کرنے سے ہی مغربی سرمایہ کاروں کی آمد اور استحصال کا راستہ ہموار ہوگا کیونکہ یہ بات طے ہے کہ جب کوئی قومیت کسی دوسری قومیت کی زبان اور ثقافت اختیار کرتی ہے تو وہ اس کی منڈی بن جاتی ہے۔ویسے برصغیر ہندوپاک کی تاریخ بھی اس بات کی گواہ ہے کہ حملہ آوروں کی آمد سے پہلے اُن کے نمائندے آتے رہے ہیں۔کبھی وہ تہذیب پھیلانے کے نام پر اور کبھی تجارت کے بہانے، اور اب اُن کی شکل این جی اوز کی ہے جو مغرب کی سرمایہ دار حکومتوں کے مفادات کے لئے انسانی حقوق کے نام پر کام کررہی ہیں۔

سرائیکی قومی سوال اور رکاوٹیں

قومی سوال بنیادی طور پر کسی قوم کی شناخت اور اس کے حقوق کے حصول کا سوال ہوتا ہے جو بالآخر سیاسی مطالبوں کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور پھر اپنی سیاسی اکائی کے حصول کی جدوجہد کرتا ہے۔ سرائیکی حوالے سے جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے یہ جدوجہد شروع ہو چکی ہے [1] تاہم ایک عرصہ گزرنے کے بعد اس کی وہ رفتار نہیں رہی جس کی عام طور پر توقع کی جا رہی تھی یہی وجہ ہے کہ آج کے بہت سے دیگر اہم سوالوں کے ساتھ سب سے بنیادی قومی سوال اس کی Growth کا ہے۔

میرے نزدیک اس کی Growth میں کئی رکاوٹیں ہیں جو داخلی اور خارجی حالات کے ساتھ جڑی ہوئی ہیں۔

جیسا کہ پچھلے صفحات میں عرض کیا گیا ہے کہ جدید سرائیکی قومی شعور نئے سرمایہ دارانہ سماج کے ساتھ وابستہ ہے اور یہ اس آزادانہ فکر کا حصہ ہے جو سرمایہ دارانہ سماج میں اس کا لازمی نتیجہ ہوتی ہے۔

چونکہ سرائیکی وسیب میں سرمایہ دارانہ سماج اپنی بنیادی تقاضوں کے تحت جڑیں نہیں پکڑ رہا بلکہ صرف اس کی معاشی اور کلچرل منڈی کے طور پر استعمال ہو رہا ہے اسلئے یہاں حقیقی شعور آگے بڑھنے کی بجائے درآمد شدہ نظریات اپنی راہ پا رہے ہیں اور غیر ملکی مفادات کے تحت اس کی راہ میں رکاوٹیں بھی کھڑی کر رہے ہیں۔ علاوہ ازیں

---

[1] - پاکستان سرائیکی پارٹی کے سیکرٹری جنرل میاں منصور کریم سیال جو ایک معروف دانشور بھی ہیں کا کہنا ہے کہ سرائیکی قومی تحریک ایک نیشنل ڈیموکریٹک موومنٹ ہے اور اپنے سماجی حالات کے تحت یہ قومی جدوجہد طبقاتی جدوجہد کے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔

یہاں سرمایہ دارانہ نظام کے حقیقی قیام میں یہاں کا جاگیردارانہ نظام جسے مصنوعی طور پر زندہ رکھا جا رہا ہے اور اس کی ہمدرد حکومتیں بھی اس کی راہ میں دیوار ہیں۔

جیسا کہ ابھی کہا گیا ہے کہ امریکہ اور یورپ میں نئے سرمایہ دارانہ نظام نے Multi-national Companies اور Stock Exchange کے Shares کے حوالے سے جو نئی شکل اختیار کی ہے وہ دنیا کو اب ایک منڈی بنانے کے لئے سرگرم ہے اس کے لئے انہیں ایک زبان اور ایک ثقافت بلکہ ایک سکہ کی ضرورت بھی پڑ رہی ہے [1] جس کے لئے ضروری ہے کہ چھوٹی زبانوں، ثقافتوں اور اس سے وابستہ قومیتوں کا خاتمہ کیا جائے کیونکہ وہ اس کی راہ میں رکاوٹ ہوتی ہیں اس لئے اپنے ان مقاصد کے حصول کے لئے جدید سرمایہ دار تین طریقے اختیار کرتا ہے۔

ا۔ اپنی پسندیدہ حکومتوں کے قیام کے ذریعے۔

ب۔ NGOs کے ذریعے۔

ج۔ براہ راست حملوں کے ذریعے جیسا کہ افغانستان اور عراق میں ہو رہا ہے

اس وقت پاکستان میں یہ عمل پاکستانی حکومت اور NGOs کے ذریعے سرانجام دیا جا رہا ہے جو اردو زبان کو قومی زبان قرار دیئے [2] اور پاکستانی قومیت کے تصور کو ہتھیار

---

[1] - لینن کے قول کے مطابق سرمایہ دار اپنے استحصال کی توسیع کے لئے ایک زبان کی حمایت کرتا ہے۔

[2] - سرائیکی وسیب کے تمام سکولوں میں سرائیکی زبان کی بجائے اردو کو پہلی حالت میں لازمی زبان کے طور پر پڑھایا جاتا ہے اس کے ساتھ تمام نصاب بھی اردو میں پڑھنا ہوتا ہے علاوہ ازیں عام طور پر اساتذہ بھی اردو بولتے ہیں اور اردو بولنے پر زور دیتے ہیں۔ بعض گھروں میں اب سرائیکی کی بجائے اردو سکھائی جاتی ہے ماہرین لسانیات کا کہنا ہے کہ جو زبان بھی ابتدائی زبان کے طور پر بچے کو سکھائی جائے گی وہ اس کی مادری زبان بن جائے گی۔ سرائیکی لوگوں کو اس خطرناک وبا کی مزاحمت کرنی چاہیے۔

کے طور پر استعمال کرنے میں ہے جس کے لئے پاکستانی آئین کا سہارا لیا جاتا ہے جو نئی قومی اکائی کے قیام میں کافی مشکلات کا سبب ہے [1]

سرائیکی خطے پر این جی اوز نے کسی بیرونی حملہ آور کی طرح اپنے اندرونی ہمدردوں کے ذریعے جنہیں وہ کسی نہ کسی شکل میں مالی امداد دیتے ہیں داخلہ حاصل کر لیا ہے۔ وہ سرائیکی وسیب کی پسماندگی دور کرنے، فرسودہ روایات کو ختم کرنے اور اسے ترقی یافتہ بنانے کے نام پر اپنی تہذیب و ثقافت اور روایات میں ڈھالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ تا کہ وہ مکمل طور پر مغربی زبان و ثقافت کا حصہ بن کر گلوبل ویلج میں تبدیل ہو سکے۔ اور ڈبلیو۔ ٹی۔ او کے ذریعے ملٹی نیشنل کمپنیوں کے استحصال کا راستہ ہموار کیا جا سکے۔

چونکہ سرائیکی قومی شعور ان کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ اور وہ خود کو اپنی دھرتی سے جوڑ کر اپنی زبان و ثقافت کے دفاع کے لئے قومی سیاسی اکائی کے حصول کی جدوجہد کر رہا ہے اس لئے وہ خصوصی طور پر اس تحریک کے کارکنوں کو غیر محسوس طور پر اپنا نشانہ بنا کر نظریاتی طور پر تقسیم کرتے ہیں اور بعض اوقات طبقاتی سوال کے ذریعے انہیں گمراہ کرتے ہیں [2]

---

[1] پاکستان کے آئین 1973ء میں واضح کیا گیا ہے کہ نئے صوبے کی تشکیل کے لئے قومی اسمبلی کے ممبران کی دو تہائی اکثریت کی منظوری کے ساتھ اس صوبے کی اسمبلی کی دو تہائی ممبران کی اکثریت بھی حاصل کرنی ہو گی جس کی حدود میں نیا صوبہ بنانا ہو گا۔

[2] ہر انسان پیدائشی طور پر کسی نہ کسی قومیت سے جڑا ہوتا ہے جو اس کی شناخت کا سبب بنتی ہے اور جس پر وہ عموماً فخر کرتا ہے۔ جب کہ طبقے کا تعلق روزگار اور ذرائع پیداوار سے ہوتا ہے جو وہ بعد میں حاصل کرتا ہے اور جو زندگی کے ایک لمحے میں ختم بھی ہو جاتا ہے اس طرح طبقاتی جدوجہد ایک قوم کی اپنی اندرونی لڑائی ہوتی ہے جو اس قوم کی سیاسی اور معاشی آزادی کے لئے اس کے اندر لڑی جاتی ہے۔ تمام دنیا کے مزدوروں کے اتحاد کا نعرہ صرف علامتی ہے۔ جب تک قومیں آزاد ہو کر اتحاد نہیں بناتیں۔ اس وقت تک سامراج سے نجات ممکن نہیں۔ اور صرف یہ نعرہ کہ مزدور دنیا میں انقلاب لائیں گے کبھی ممکن نہیں ہوا کیونکہ انقلاب صرف پارٹی لاتی ہے جس کی قیادت کسی سیاسی دانشور کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ جبکہ مزدور، طلباً اور کسانوں کے ساتھ ہراول دستے کا کام کرتے ہیں۔

سرائیکی قومی شعور کی Growth میں کچھ سیاسی کارکن بھی رکاوٹ ہیں ان میں بعض اپنے ذاتی مفادات کی بنا پر یک جہتی نہیں چاہتے، ان میں سے بہت سے ایک دوسرے کی کھینچا تانی کے ساتھ الزام تراشی بھی کرتے ہیں اس میں ایک عنصر ان پارٹیوں کی قیادت کے شخصی رویے بھی ہیں جو دوسرے شخص کی قیادت تلے کام نہیں کرنا چاہتے۔ علاوہ ازیں جاگیردارانہ سماج کے پس منظر اور سیاسی روایات کے حوالے سے کچھ لوگ یہ بھی سوچتے ہیں کہ جب تک بالائی طبقے کا کوئی مؤثر فرد یا حکومت کی طرف سے کسی اشارے پر کوئی شخص اس تحریک کی قیادت نہ کرے گا، کام نہیں چلے گا [1] حالانکہ اصل کام تو عوام کو سمجھنا اور ان کے ساتھ جڑنا ہے تا کہ سیاست کے مرکزی دھارے کا حصہ بنا جا سکے۔

---

[1] بلاشبہ تاریخ میں فرد کا بھی ایک اہم رول ہے۔ اور بڑی شخصیتوں نے تاریخی تبدیلی میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ لیکن ایسی شخصیت بھی سماجی حالات کی تبدیلی کا نتیجہ ہوتی ہے توقع کی جا سکتی ہے کہ موجودہ سرائیکی قومی شعور میں سے کا کوئی Over man پیدا ہو گا۔

مستقبل کے امکانات

سرائیکی خطے میں آج ایک نئی اور پانچویں تہذیب جنم لے رہی ہے جو مسلم اور مغربی تہذیب کے امتزاج پر مبنی ہوگی [1] سرائیکی خطہ جو کہ ہر نئی تہذیب کے دوران اپنے مزاج اور ارادے کے تحت ایک اکائی کی صورت اختیار کرتا رہا ہے اب بھی وہ ایک سیاسی اکائی کی صورت اختیار کرے گا۔ اور اس کا آغاز سرائیکی قومی شعور کی تحریک کی بنیاد پر ہوگا یہ تحریک جب ایک بڑی شکل اختیار کرے گی اور قومی سیاسی اکائی میں ڈھلے گی تو ماضی کی طرح اس کے اثرات ہمسایہ علاقوں تک مؤثر ہونگے۔

سرائیکی قومی تحریک اس وقت دیگر تمام قومی تحریکوں سے زیادہ ترقی پسند، متحرک اور توانا ہے [2]

---

[1] یہ تہذیب جسے میں سرائیکی قومی تہذیب کا نام دوں گا اپنے رویوں میں جمہوری جدوجہد اور مزاحمت کے ساتھ ایک آزاد خیال اور مصالحانہ ثقافت کی نمائندگی کرے گی جس میں سرائیکی زبان اپنے موجودہ بنیادی ڈھانچے کے ساتھ انگریزی زبان کی لغت کو اپنی مخصوص آوازوں اور ادائیگی کے ساتھ خاص انداز کے ساتھ قبول کرے گی۔ اور سرائیکی ثقافت بھی اپنے لباس اور موسیقی کے ساتھ ایک جدید اور خوبصورت شکل میں نمودار ہوگی۔

[2] بلوچستان میں اگرچہ بلوچ قومی تحریک کافی توانا ہے۔ تاہم یہ ابھی تک قبائلی روایات کے اثر میں ہے اور آج بھی وہاں کے بڑے بڑے قبائل اپنی نسلی شناخت کو قائم رکھے ہوئے ہیں آج کی B.L.A کی جدوجہد کا تعلق اسی لئے محدود علاقے تک ہے۔

انگریزوں کے دور میں اور قیام پاکستان تک بلوچستان میں پانچ قسم کی مختلف اکائیاں اور حکومتیں ہوتی تھیں ایک برٹش بلوچستان کہلاتا تھا۔ اس پر انگریز براہ راست حکومت کرتا تھا۔ دوم ٹرائبل ایریا

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ از گزشتہ صفحہ)

تھا جہاں پولیٹیکل ایجنٹ رکھے جاتے تھے تیسرا ریاست قلات، چہارم لس بیلہ و ر پنجم ریاست خاران، قیام پاکستان کے بعد ریاست مکران جسے ریاست قلات نے فتح کر کے اپنا صوبہ بنا رکھا تھا اور قانون آزادی 1947ء کے نتیجے میں الگ ہو کر ایک ریاست کی حیثیت سے پاکستان میں شامل ہوگئی...... ہماری ناعاقبت اندیشی اور ذہنوں کی عدم استقامت نے ہمیں کبھی ایک ساتھ رہنے نہ دیا۔ بلوچ قوم ہم چو من دیگرے نیست کے مصداق میر چاکر خان رند اور میر گوہرام لاشاری سے لے کر نواب اکبر بگٹی اور سردار عطا اللہ خان مینگل تک یہ کھیل کھیلے جا رہی ہے۔

(ماہنامہ بلوچی دنیا اور ملتان جنوری 2006ء صفحہ ۱۴)

سندھ میں قومی تحریک جاگیردارانہ سطح پر ہے اور کچھ شہری علاقوں میں سرمایہ داری کے آغاز کی وجہ سے اپنے اندرونی تضادات کا شکار ہوگئی ہے جس میں مہاجر، سندھی اور پنجابی تضادات شامل ہیں اور یہ تضادات اس تحریک کو ایک لڑی میں پروئے جانے میں رکاوٹ ہیں۔

اس طرح اگرچہ ظاہری طور پر پشتونوں کی قومی تحریک توانا ہے۔ مگر زبان کی علاقائی تقسیم بلوچستان اور سرحد میں الگ قومی سیاسی پارٹیاں اور افغانستان کی بدلتی ہوئی صورتحال نے اس کو ٹوٹ پھوٹ

کا شکار بنا دیا ہے جب کہ اس کی نسلی شناخت بھی اس میں ایک رکاوٹ کا سبب ہے۔ مگر سرائیکی قومی تحریک ان تمام تضادات سے پاک ایک متوازن قومی تحریک ہے۔ جوان قومیتوں کی قیادت کی حامل ہے۔

علاوہ ازیں اپنے ماضی کی تاریخ کی روشنی میں یہ مدافعتی عنصر بھی اپنے اندر رکھتی ہے۔ جس کے نتیجے میں یہ اچھائی اور برائی کا ادراک رکھتی ہے اور اس طرح وہ غیر ضروری اور غیر متوازن مغربی اثرات کو روکے گی۔ اور صرف خوبیوں کو جذب کر کے اپنی پسماندہ روایات کی جگہ ان کا اضافہ کرے گی اور اس طرح ایک جدید متوازن اور قومی تہذیب کو جنم دے گی تاہم تاریخ کا سفر Zigzag کے انداز میں ہوتا ہے اس لئے ابھی سے کوئی حتمی بات کہنا مشکل ہے تاہم صرف سرائیکی وسیب کا مستقبل ہی نہیں بلکہ پورے پاکستان کا مستقبل پنجاب کی حکومت اور اس کے کارپردازوں کے رویوں پر منحصر ہے ماضی میں پنجاب کے رویوں کی وجہ سے مشرقی پاکستان الگ ہوا اور اب بھی سرائیکی زبان کو پنجابی کا لہجہ قرار دینا، سرائیکی قومیت کو پنجابی قومیت سے الگ تسلیم نہ کرنا[1] علاوہ ازیں سرائیکی خطے کو اپنی جاگیر سمجھ کر اس کی زمینوں اور ملازمتوں پر قبضہ کرنا بالآخر ایک ایسی بغاوت کو جنم دے گا جس میں نہ صرف پنجاب کو نقصان ہوگا بلکہ پاکستان کی سالمیت پر بھی زد پڑے گی[2] کیونکہ دیگر قومیتوں کے ساتھ پنجاب کا رویہ غیر دوستانہ ہے۔

---

[1]۔ پنجاب میں پنجابی بولنے والے لوگ دراصل اپنی شناخت کے ابتدائی مرحلے میں ہیں اصل پنجابی قوم مشرقی پنجاب میں رہتی ہے جس کا اپنا کلچر اور اپنا رسم الخط ہے۔ پاکستانی پنجاب میں بسنے والے لوگ ایسی زبان اور کلچر سے تعلق رکھتے ہیں جو دونوں زبانوں سرائیکی اور پنجابی کا درمیانی علاقہ ہے اس لئے اپنی کوئی شناخت نہ ہونے کی وجہ سے پاکستانی پنجابی کبھی مشرقی پنجاب کی طرف بھاگتے ہیں اور کبھی سرائیکی پر جھپٹا مارتے ہیں۔ آج کل مشرقی پنجاب کی دوستی کے نشے میں سرمست رہنے کی وجہ سے یہ بالآخر ہندوستان کی توسیع پسندی کا شکار ہو جائیں گے اس لئے بھی ضروری ہے کہ سرائیکی وسیب کو سیاسی اکائی مل جانی چاہئے تاکہ مستقبل میں ہونے والی توڑ پھوڑ میں یہ اپنے وجود کو برقرار رکھ سکے۔

[2]۔ آج بھی پورے پاکستان میں ایسی تحریکیں چل رہی ہیں جو پاکستان کے وجود کے خلاف ہیں۔ گریٹر پنجاب، سندھو دیش، آزاد بلوچستان، پختونستان اور شمالی علاقہ جات میں آزادی کی تحریکیں اس بات کی غمازی کرتی ہیں۔ بلوچستان کے ایک علاقے میں تو باقاعدہ اس آزادی کے لئے B.L.A کے تحت گوریلا جنگ لڑی جا رہی ہے۔

ان تمام حالات میں سرائیکی قومی تحریک کی کامیابی اور سرائیکی سیاسی اکائی[1] ہی ایک حد تک پاکستانی قومیتوں کو پنجاب کی سیاسی بالادستی اور استحصال سے نجات دلا سکتی ہے اور اس بات کی امید کی جا سکتی ہے کہ قومیتوں کا یہ اتحاد ایک دوستانہ اتحاد میں بدل سکے گا۔ اور 1940ء کی قرارداد کے مطابق یہ ایک بہتر کنفیڈریشن کے شکل میں قائم رہے گا۔

---

[1]۔ سرائیکی صوبہ کے قیام کے مطالبے کا مقصد پنجاب کو تقسیم کرنا نہیں بلکہ صوبہ ملتان اور ریاست بہاولپور کی بحالی کا مطالبہ ہے۔ کیونکہ یہ سرائیکی خطہ 1818ء اور 1955ء سے پہلے کبھی پنجاب کا حصہ نہیں رہا اور اب یہ اپنی ماضی کی سابقہ مشترکہ حیثیت کو بحال کرنے کا مطالبہ کرتا ہے۔

کتابیات

1۔ ''لسلیات پاکستان'' از: ڈاکٹر مظفر حسن ملک

مقتدرہ قومی زبان پاکستان اسلام آباد

2۔ ''قومیت کی تشکیل اور اردو زبان'' از: جیلانی کامران

مقتدرہ قومی زبان پاکستان اسلام آباد

3۔ ''لسانیات پاکستان'' از: ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی

مقتدرہ قومی زبان پاکستان اسلام آباد

4۔ ''زبان کیا ہے'' از: خلیل صدیقی

بیکن بکس گلگشت ملتان

5۔ ''لسانی مباحث'' از: خلیل صدیقی

سال اشاعت 1990 زمرد پبلیکیشنز کوئٹہ

6۔ ''سرائیکی زبان اُوندا رسم الخط اَتے آوازاں'' از محمد اسلم رسولپوری

سرائیکی پبلیکیشنز رسول پور ضلع راجن پور

7۔ ''سرائیکی قومی تحریک ایک نظر میں'' از: بیرسٹر تاج محمد خان لنگاہ

پاکستان سرائیکی پارٹی ہائی کورٹ روڈ ملتان

8۔ ''مارکسزم اور قومی سوال'' از: لال خان

جدوجہد پبلیکیشنز لاہور

9۔ ''سرائیکی رسم الخط'' از: شوکت مغل

جھوک پبلیکیشنز ملتان

10۔ ''مرقع ڈیرہ غازی خان'' از: غلام علی سکانی

جمہوری کتاب گھر تونسہ شریف ڈیرہ غازی خان

11۔ ''پاکستان کی قومیتیں'' از: گنکووسکی

12۔ ''ملتانی زبان اور اس کا اردو سے تعلق'' از: ڈاکٹر مہر عبدالحق

بار اوّل 1967 اردو اکادمی ۔ بہاولپور

❁ ❁ ❁

4

محمد اسلم رسول پوری